اشاعتِ خصوصی

27

ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

www.tanzeem.org

تنظیم اسلامی کا پیغام
خلافت راشدہ کا نظام

مسلسل اشاعت کا
35واں سال

6 تا 12 صفر المظفر 1448ھ / 21 تا 27 جولائی 2026ء

اُمّتِ مُسلمہ کی حالتِ زار اور راہِ نجات

چال میں میانہ روی اور کلام میں وقار

الھدیٰ — ڈاکٹر اسرار احمدؒ — 1191

سورۃ لقمٰن — بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ — آیت: 19

وَاقۡصِدۡ فِیۡ مَشۡیِکَ وَاغۡضُضۡ مِنۡ صَوۡتِکَ ؕ اِنَّ اَنۡکَرَ الۡاَصۡوَاتِ لَصَوۡتُ الۡحَمِیۡرِ ﴿۱۹﴾

آیت ۱۹: ﴿وَاقۡصِدۡ فِیۡ مَشۡیِکَ﴾ ’’اور اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرو‘‘

یہ میانہ روی (اقتصاد) صرف ظاہری چال ہی میں نہیں بلکہ زندگی کی مجموعی ’’چال‘‘ میں بھی مطلوب ہے۔ خصوصی طور پر قرآن میں معیشت کی میانہ روی پر بہت زور دیا گیا ہے۔ مثلاً سورۃ الفرقان میں بندۂ مومن کی پختہ (mature) اور متوازن شخصیت کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے: ﴿وَالَّذِیۡنَ اِذَاۤ اَنۡفَقُوۡا لَمۡ یُسۡرِفُوۡا وَلَمۡ یَقۡتُرُوۡا وَکَانَ بَیۡنَ ذٰلِکَ قَوَامًا ﴿۶۷﴾﴾ ’’اور وہ لوگ کہ جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں بلکہ (ان کا معاملہ) اس کے بین بین معتدل ہوتا ہے۔‘‘

﴿وَاغۡضُضۡ مِنۡ صَوۡتِکَ ؕ﴾ ’’اور اپنی آواز کو پست رکھو۔‘‘

خصوصی طور پر کسی بحث وتمحیص کے دوران اونچی آواز میں چیخنے کے بجائے ٹھوس دلیل کے ساتھ پُروقار انداز میں گفتگو کرو۔ کیونکہ عام طور پر بحث کرتے ہوئے آدمی اونچی آواز میں چیخ چیخ کر اس وقت بولتا ہے جب اس کے پاس کوئی دلیل نہ ہو۔ گویا وہ آواز کے زور سے اپنی دلیل کی کمی پوری کرنا چاہتا ہے۔

﴿اِنَّ اَنۡکَرَ الۡاَصۡوَاتِ لَصَوۡتُ الۡحَمِیۡرِ ﴿۱۹﴾﴾ ’’یقیناً سب سے ناپسندیدہ آواز گدھے کی آواز ہے۔‘‘

خواہ مخواہ بلند آواز سے بولنے میں انسان کی کوئی بڑائی نہیں ہے۔ اس میں اگر کوئی بڑائی ہوتی تو اس کا سب سے زیادہ مستحق گدھا قرار پاتا جس کی آواز غیر معمولی طور پر بلند اور زوردار ہوتی ہے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ گدھے کی آواز سب آوازوں سے زیادہ مکروہ اور ناپسندیدہ سمجھی جاتی ہے۔ چنانچہ ایک معقول انسان کو زیب نہیں دیتا کہ وہ گدھے کی طرح چلاّ چلاّ کر گفتگو کرے، بلکہ بات چیت میں انسان کا بہتر طرزِ عمل یہی ہے کہ وہ تحمل سے گفتگو کرے اور گفتگو میں وزن پیدا کرنے کے لیے علمی وعقلی دلیل کا سہارا لے۔

درسِ حدیث

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے!

عَنۡ عَبۡدِ اللّٰہِ بۡنِ عُمَرَ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ ﷺ: ((اَلۡمُسۡلِمُ أَخُو الۡمُسۡلِمِ لَا یَظۡلِمُہُ وَلَا یُسۡلِمُہُ، وَمَنۡ کَانَ فِیۡ حَاجَۃِ أَخِیۡہِ کَانَ اللّٰہُ فِیۡ حَاجَتِہٖ، وَمَنۡ فَرَّجَ عَنۡ مُسۡلِمٍ کُرۡبَۃً مِنۡ کُرَبِ الدُّنۡیَا فَرَّجَ اللّٰہُ عَنۡہُ کُرۡبَۃً مِنۡ کُرَبِ یَوۡمِ الۡقِیَامَۃِ، وَمَنۡ سَتَرَ مُسۡلِمًا سَتَرَہُ اللّٰہُ یَوۡمَ الۡقِیَامَۃِ)) (متفق علیہ)

حضرت عبد اللہ بن عمر ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ وہ اس پر ظلم کرے اور نہ اس پر ظلم ہونے دے۔ اور جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرنے میں رہتا ہے اللہ اس کی ضرورت پوری کرنے میں رہتا ہے، اور جس نے کسی مسلمان کی دنیاوی مصیبتوں میں سے کسی مصیبت کو دور کیا اللہ اس کی روزِ قیامت کی مصیبتوں میں سے کوئی مصیبت دور کرے گا، اور جس نے کسی مسلمان کا پردہ رکھا اللہ روزِ قیامت اس کا پردہ رکھے گا۔‘‘

ہفت روزہ

لاہور

ندائے خلافت

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تنظیم اسلامی کا ترجمان نظامِ خلافت کا نقیب

بانی: اقتدار احمد مرحوم

6 تا 12 صفر المظفر 1448ھ جلد 35
21 تا 27 جولائی 2026ء شمارہ 27

مدیر مسئول: شجاع الدّین شیخ

مدیر اعزازی: حافظ عاکف سعید

مدیر: رضاء الحق

مجلس ادارت: ● فرید اللہ مروت ● محمد رفیق چودھری ● وسیم احمد باجوہ ● خالد نجیب خان

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: سکریٹری دین حق ٹرسٹ لاہور
مطبع: آر آر پرنٹرز، سگیاں روڈ، لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی

"دارالاسلام" ملتان روڈ چوہنگ لاہور۔ پوسٹل کوڈ 53800
فون: 78-35473375 (042)
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔ 54700
فون: 03-35869501 فیکس: 35834000
nk@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 28 روپے

سالانہ زرِ تعاون

اندرونِ ملک...... 800 روپے

بیرونِ پاکستان

امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (21,000 روپے)
انڈیا، یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (16000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے

Email:maktaba@tanzeem.org

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

اس شمارے میں

اُمّتِ مُسلمہ: عظیم منصب، شاندار ماضی اور زوال کی داستان	رضاء الحق	4
اُمّتِ مُسلمہ کے لیے سہ نکاتی لائحہ عمل	شجاع الدین شیخ	7
اُمّتِ مُسلمہ کی حالتِ زار اور راہِ نجات (سہ ورقہ)	تنظیم اسلامی	10
امیر تنظیم اسلامی کا علمائے کرام کے نام خط	شجاع الدین شیخ	11
اُمّتِ مُسلمہ کی تاریخ اور موجودہ زبوں حالی	ڈاکٹر اسرار احمدؒ	12
وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستانِ وجود	عامرہ احسان	16
نصرتِ الٰہی سے محرومی کے اسباب!	مولانا سعید احمد جلال پوری	18
اُمّتِ مُسلمہ کے مسائل اور اُن کا حل	مفتی محمد عثمان	21
Letter of Ameer e Mohtram to Embassies of Muslim Countries	Shujauddin Shaikh Ameer of Tanzeem e Islami Pakistan	26

تنظیمِ اسلامی کا پیغام — خلافت راشدہ کا نظام

بانی تنظیم ڈاکٹر اسرار احمدؒ — ملک گیر آگاہی مہم: امت مسلمہ کی حالت زار اور راہ نجات — امیر تنظیم شجاع الدین شیخ

"اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامو اور تفرقہ میں نہ پڑو"
(سورہ آل عمران:103)

اُمّت کے اتحاد ہی میں اُمّت کا تحفظ اور نجات ہے!

پاکستان کا قیام نعرۂ اسلام سے ہوا
پاکستان کا استحکام نفاذِ اسلام سے ہوگا

قرآن کریم کو سمجھو، اس پر عمل کرو اور اپنی زندگی کا نظام بناؤ!

www.tanzeem.org — تنظیمِ اسلامی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اُمّتِ مُسلمہ: عظیم منصب، شاندار ماضی اور زوال کی داستان

اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی رہنمائی کے لیے انبیائے کرام علیہم السلام کا ایک عظیم سلسلہ قائم فرمایا، جس کی تکمیل خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثتِ مبارکہ پر ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے نتیجے میں جو اُمّت وجود میں آئی، وہ محض ایک نسلی، لسانی یا جغرافیائی اکائی نہیں، بلکہ ایک نظریاتی اور دعوتی اُمّت ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے پوری انسانیت کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے منتخب فرمایا۔ یہی وہ اُمّت ہے جس کے لیے حضرت ابراہیمؑ نے تعمیرِ کعبہ کے وقت دعا فرمائی تھی۔ ترجمہ: ''اے ہمارے رب! ہمیں اپنا فرماں بردار بنا اور ہماری اولاد میں سے ایک ایسی اُمّت پیدا فرما جو تیری فرمانبردار ہو، اور ہمیں ہماری عبادت کے طریقے بتا اور ہماری توبہ قبول فرما۔'' (البقرۃ:128) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا محض ایک صالح نسل کے لیے دعا نہ تھی بلکہ ایک ایسی اُمّت کے ظہور کی تمنا تھی جو اللہ کی بندگی کو اپنا مقصدِ وجود سمجھے، جو توحید کا علم بلند کرے، جو انسانیت کو ظلم و جبر سے نکال کر عدل و رحمت کے نظام کی طرف رہنمائی کرے۔ اسی دعا کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور ایک ایسی اُمّت تیار فرمائی جسے قرآنِ حکیم نے ''اُمّتِ وسط'' اور ''خیرِ اُمّت'' کے معزز القابات عطا فرمائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک درمیانی اُمّت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہوں۔'' (البقرۃ:143) یہی وہ منصب ہے جسے قرآن کی اصطلاح میں ''شہادت علی الناس'' کہا گیا ہے۔ یعنی اُمّتِ مُسلمہ کا وجود محض اپنی ذاتی نجات کے لیے نہیں بلکہ پوری انسانیت تک اللہ کے پیغام کو پہنچانے اور زندگی کے ہر شعبے میں اللہ کی ہدایت کے مطابق نمونہ قائم کرنے کے لیے ہے۔

الغرض اُمّتِ مُسلمہ کو اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم ذمہ داری سونپی ہے۔ یہ ذمہ داری صرف بعض عقائد، انفرادی عبادات، چند مذہبی رسوم یا شخصی تقویٰ تک محدود نہیں بلکہ زندگی کے پورے نظام کو اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق ڈھالنے کا نام ہے۔ قرآنِ حکیم نے اس مقصد کو واضح کرتے ہوئے فرمایا: ''تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو خیر کی طرف بلائے، نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے، اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔'' (آل عمران:104) اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے ایمان والو! انصاف پر مضبوطی سے قائم رہنے والے بنو، اللہ کے لیے گواہی دینے والے، خواہ وہ خود تمہارے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔'' (النساء:135) گویا اُمّتِ مُسلمہ کا مشن دو بنیادی ستونوں پر قائم ہے:

1۔ شہادت علی الناس یعنی اللہ کے دین کی گواہی اور انسانیت تک اس کا پیغام پہنچانا۔

2۔ اقامتِ دین کی جدوجہد یعنی انفرادی، اجتماعی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو قائم کرنے کی سعی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو اُمّت تیار فرمائی، اس کا پہلا نمونہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت تھی۔ اُن کا امتیاز یہ تھا کہ قرآن اُن کے لیے محض ثواب کے حصول کی کتاب نہیں بلکہ مکمل دستورِ حیات تھا۔ انہوں نے قرآن کو سمجھا، اس پر ایمان لائے، اسے اپنی انفرادی زندگیوں میں نافذ کیا اور پھر اسی ہدایت کی بنیاد پر ایک عادلانہ اجتماعی نظام قائم کیا۔ یہ وہی جماعت تھی جس نے چند دہائیوں کے اندر دنیا کی دو عظیم سلطنتوں ایران اور روم کو شکست دی۔ یہ فتح محض عسکری قوت کی بنیاد پر نہیں تھی بلکہ ایک ایسی اخلاقی، روحانی اور نظریاتی قوت کے ذریعے تھی جو دنیا کے انسانوں کو ظلم و استحصال سے نکال کر عدل و رحمت کے نظام کی طرف بلاتی تھی۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب تک اُمّتِ مُسلمہ قرآن و سنت سے مضبوطی سے وابستہ رہی اسے اللہ تعالیٰ نے عزت، اقتدار اور قیادت عطا فرمائی۔ تقریباً ایک ہزار سال تک دنیا کے بڑے حصے میں مسلمانوں نے علم، تہذیب، عدل اور انتظامی صلاحیتوں کے ذریعے قیادت کا کردار ادا کیا۔

یہ دراصل سنتِ الٰہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت اُن لوگوں کے ساتھ ہوتی ہے جو اُس کے دین کے قیام کے لیے جدوجہد کرتے ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ”اے ایمان والو! اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم مضبوط کر دے گا۔“ (سورۃ محمد: 7)

امّتِ مُسلمہ کے زوال کا آغاز کسی ایک بیرونی حملے سے نہیں ہوا بلکہ اس وقت ہوا جب مسلمانوں کا قرآنِ حکیم سے زندہ تعلق کمزور پڑنے لگا۔ جب دین کو زندگی کے مکمل نظام کے بجائے صرف بعض عقائد، چند عبادات اور رسوم تک محدود کر دیا گیا، جب سیاست، معیشت، معاشرت اور اجتماعی معاملات اللہ کی ہدایت سے آزاد سمجھے جانے لگے، تو وہ قوت جو مسلمانوں کو دنیا میں ممتاز کرتی تھی، رفتہ رفتہ کمزور ہوتی چلی گئی۔ قرآن محض تلاوت کے لیے نہیں آیا تھا بلکہ زندگی کی رہنمائی کے لیے آیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں ایک ایسا معاشرہ قائم فرمایا جس میں عبادت گاہ، عدالت، معیشت، سیاست اور معاشرت سب اللہ کی ہدایت کے تابع تھے۔ لیکن بعد کے ادوار میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد نے اسلام کے اس ہمہ گیر تصور کو بھلا دیا۔ نتیجتاً: روحانی کمزوری پیدا ہوئی، فکری انتشار بڑھا، فرقہ وارانہ اور قومی تعصبات غالب آئے، دنیا کی محبت اور آخرت سے غفلت نے جگہ بنالی اور اجتماعی قوت منتشر ہوگئی۔

نبی اکرم ﷺ نے اسی کیفیت کی خبر فرمائی تھی: ”قریب ہے کہ دوسری قومیں تم پر اس طرح ٹوٹ پڑیں گی جیسے کھانے والے دسترخوان پر ایک دوسرے کو بلاتے ہیں۔“ صحابہ کرام ؓ نے پوچھا: ”کیا اُس وقت ہماری تعداد کم ہوگی؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نہیں، بلکہ تم تعداد میں بہت زیادہ ہوگے، لیکن تم سیلاب کے جھاگ کی مانند ہوگے۔ اللہ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہارا رعب نکال دے گا اور تمہارے دلوں میں ”وہن“ ڈال دے گا۔“ پوچھا گیا: ”وہن کیا ہے؟“ فرمایا: ”دنیا کی محبت اور موت کا خوف۔“ (سنن ابی داؤد) آج امّتِ مُسلمہ کی حالت اس حدیثِ نبوی ﷺ کی عملی تصویر دکھائی دیتی ہے۔

آج امّتِ مُسلمہ جس کیفیت سے گزر رہی ہے، وہ تاریخ کے انتہائی تشویش ناک ادوار میں سے ایک ہے۔ جس امّت کو اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی رہنمائی، عدل کے قیام اور حق کی گواہی کے لیے منتخب فرمایا تھا، وہ آج خود سیاسی، معاشی، فکری اور تہذیبی بحرانوں میں گھری ہوئی ہے۔ دنیا کے مختلف خطوں میں مسلمان ظلم و جبر، جنگوں، قبضوں اور استحصال کا شکار ہیں، مگر امّت بحیثیت مجموعی اپنی اجتماعی ذمہ داری ادا کرنے سے قاصر نظر آتی ہے۔ فلسطین بالخصوص غزہ کی صورت حال اس حقیقت کی سب سے بڑی مثال ہے کہ عالمی نظامِ طاقت میں کمزور اقوام کے ساتھ کس قدر بے رحمی کا مظاہرہ کیا جا سکتا ہے۔ دہائیوں سے جاری قبضہ، محاصرہ، جبری بے دخلی اور حالیہ جنگوں نے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں انسانوں کو متاثر کیا ہے۔ اسی طرح کشمیر، شام، افغانستان، عراق، لیبیا، لبنان اور دیگر مسلم خطے بھی عالمی طاقتوں کے مفادات، علاقائی کشمکشوں اور داخلی کمزوریوں کا شکار رہے ہیں۔ یہ حالات محض سیاسی واقعات نہیں بلکہ امّتِ مُسلمہ کے لیے ایک عظیم تنبیہ ہیں کہ اگر وہ اپنے حقیقی مقصدِ وجود سے غافل رہے گی تو اس کی تعداد، وسائل اور جغرافیائی وسعت اُسے عزت و تحفظ فراہم نہیں کر سکیں گے۔ قرآنِ حکیم نے واضح فرمادیا: ”بے شک اللہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت بدلنے کی کوشش نہ کرے۔“ (الرعد: 11) لہٰذا امّت کا مسئلہ صرف بیرونی دشمنوں کی سازشیں نہیں بلکہ اپنی داخلی کمزوریاں بھی ہیں۔ دشمن کی ریشہ دوانیوں سے انکار نہیں کیا جا سکتا، لیکن قرآن ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ قوموں کا عروج و زوال سب سے پہلے ان کے اپنے اعمال، ایمان اور کردار سے متعلق ہوتا ہے۔

مملکتِ خداداد کی بات کریں تو پاکستان کا قیام محض ایک جغرافیائی تبدیلی کا نام نہیں تھا بلکہ برصغیر کے مسلمانوں کی ایک عظیم جدوجہد کا نتیجہ تھا۔ اس جدوجہد کے پس منظر میں یہ تصور نمایاں تھا کہ مسلمان اپنی اجتماعی زندگی اسلام کے اصولوں کے مطابق گزار سکیں گے۔ قراردادِ مقاصد اور آئینِ پاکستان میں بھی اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور اسلامی اصولوں کی بالادستی کا عہد شامل کیا گیا۔ لیکن سات دہائیوں سے زائد عرصہ گزرنے کے باوجود پاکستان اپنی اصل منزل یعنی ایک حقیقی اسلامی فلاحی ریاست کے قیام سے ابھی دور ہے۔ آج پاکستان میں بحرانوں کا بسیرا ہے: سیاسی انتشار، معاشی عدم استحکام، سودی معاشی نظام اور سودی قرضوں کا بوجھ، عدل و انصاف کے مسائل، تعلیمی اور اخلاقی بحران اور ادارہ جاتی کمزوریاں۔

ہمارے نزدیک ان تمام مسائل کا حل محض سیاسی نعروں، وقتی معاشی منصوبوں یا بیرونی امداد میں نہیں بلکہ اس بنیادی سوال کے جواب میں ہے کہ پاکستان کا مقصدِ وجود کیا ہے؟ اگر پاکستان کو محض ایک قومی ریاست سمجھا جائے تو وہ عالمی طاقتوں کے اسی نظام کا ایک کمزور حصہ بن کر رہ جائے گا، لیکن اگر اسے اسلام کے عادلانہ نظام کے قیام کی تجربہ گاہ بنایا جائے تو یہ نہ صرف خود ترقی و استحکام

حاصل کرسکتا ہے بلکہ پوری اُمتِ مُسلمہ کے لیے امید کا مرکز بن سکتا ہے۔

عالمِ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی بات کریں تو اُمتِ مُسلمہ کے زوال کا آغاز جہاں سے ہوا، اس کا عروج بھی وہیں سے شروع ہوگا، یعنی قرآنِ حکیم سے زندہ تعلق، رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی اور دین کو زندگی کے تمام شعبوں میں نافذ کرنے کی مخلصانہ جدوجہد۔ اللہ تعالیٰ کا واضح حکم ہے: ’’اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقے میں نہ پڑو۔‘‘ (آل عمران: 103) احادیثِ مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی مضبوط رسی قرآنِ مجید ہے۔ لہٰذا اُمت کی نجات اسی میں ہے کہ وہ دوبارہ قرآن سے جُڑے اور اسوۂ رسول ﷺ کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے۔

اسی احساسِ ذمہ داری کے تحت تنظیم اسلامی کی جانب سے 31 جولائی 2026ء تا 21 اگست 2026ء ایک خصوصی مہم بعنوان: ’’اُمتِ مُسلمہ کی حالتِ زار اور راہِ نجات‘‘ منعقد کی جا رہی ہے۔ اس مہم کا مقصد اُمتِ مُسلمہ (بشمول پاکستان!) کو اس کے حقیقی مقام، ذمہ داری اور موجودہ حالات کے اسباب سے آگاہ کرنا اور قرآن وسنت کی طرف اجتماعی رجوع کی دعوت دینا ہے۔

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمان اپنی اصل شناخت کو پہچانیں۔ اُمتِ مُسلمہ کی نجات نہ مغرب کی اندھی تقلید میں ہے، نہ محض سیاسی نعروں میں، نہ مادی ترقی کی دوڑ میں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ مبارک سے مضبوط وابستگی میں ہے۔ ہمیں اپنے ایمان کو زندہ کرنا ہوگا، اپنی ذات کی اصلاح سے آغاز کرنا ہوگا، اپنے خاندان اور معاشرے کو اسلامی اقدار پر استوار کرنا ہوگا اور پھر اجتماعی سطح پر اقامتِ دین کی جدوجہد کو اپنا مقصدِ زندگی بنانا ہوگا۔ یہی وہ راستہ ہے جس پر چل کر اُمت دوبارہ عزت، وقار اور قیادت حاصل کرسکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے: ’’اور جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں ہم ضرور انہیں اپنے راستے دکھا دیتے ہیں، اور بے شک اللہ نیکوکاروں کے ساتھ ہے۔‘‘ (العنکبوت: 69) لہٰذا وقت کا تقاضا ہے کہ ہر مسلمان اس دعوت کو سمجھے، اس کا حصہ بنے اور اُمتِ مُسلمہ کی نشاۃِ ثانیہ کے لیے اپنا کردار ادا کرے۔ قرآن سے تعلق، سنت کی پیروی، اقامتِ دین کی جدوجہد اور اللہ کی نصرت کا یقین! یہی اُمتِ مُسلمہ کی حقیقی راہِ نجات ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس بنیادی دینی ذمہ داری کو ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

تنظیمِ اسلامی کا پیغام
خلافت راشدہ کا نظام

بانی تنظیم
ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ

ملک گیر آگاہی مہم: امت مسلمہ کی حالت زار اور راہ نجات

امیر تنظیم
شجاع الدین شیخ حفظہ اللہ

اُمّت کے اتحاد ہی میں
اُمّت کا تحفظ اور نجات ہے!

صہیونیوں کے نشانہ پر فلسطین کے مظلوم
مسلمانوں کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی

”نیو ورلڈ آرڈر“ نہیں — اسلام کا
”Just World Order“ وقت کا تقاضا ہے

تنظیمِ اسلامی
www.tanzeem.org

اُمّتِ مسلمہ کے لیے سہ نکاتی لائحہ عمل

(سورۃ آلِ عمران کی آیات 102 تا 104 کی روشنی میں)

امیر تنظیم اسلامی محترم شجاع الدین شیخ ﷾ کے ایک اہم خطاب کی تلخیص

خطبہ مسنونہ اور تلاوتِ آیاتِ قرآنی کے بعد!

قرآن حکیم ایک ایک فرد کے لیے رہنمائی اور اُمّت کو جوڑنے والی شے ہے۔ اُمّت کو جوڑ کر کرنا کیا ہے؟ اس کا جواب ہمیں قرآن مجید کی سورۃ آلِ عمران کی آیات 102 تا 104 میں ملتا ہے۔ تین آیات پر مشتمل یہ قرآن مجید کا بہت جامع مقام ہے جس کی تفہیم کے لیے بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا بہت سبق آموز خطاب ''اُمّت مسلمہ کے لیے سہ نکاتی لائحہ عمل'' کے عنوان سے بھی موجود ہے۔ اب یہ اردو اور انگریزی زبان میں کتابچے کی شکل میں بھی موجود ہے۔ تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ پر اس کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ اس وقت جن حالات سے ہم گزر رہے ہیں، سخت آزمائشوں کا معاملہ ہے، ان حالات میں قرآن کے اس جامع پیغام کو سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی بہت ضرورت ہے۔ اسی تناظر میں آج ہم ان آیات کا مطالعہ کریں گے، ان شاء اللہ! فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿١٠٢﴾﴾ ''اے اہل ایمان! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، جتنا کہ اُس کے تقویٰ کا حق ہے اور تمہیں ہرگز موت نہ آنے پائے مگر فرمانبرداری کی حالت میں۔''

نبی کریم ﷺ جب بھی خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے، چاہے غم کا موقع ہو یا خوشی کا موقع ہو تو اس آیت کی تلاوت فرمایا کرتے تھے، خاص طور پر خطبہ نکاح میں جو آیات آپ ﷺ تلاوت فرمایا کرتے تھے اُن میں سے ایک یہ لازمی طور پر شامل ہوتی تھی۔ اس آیت میں براہ راست اہل ایمان سے خطاب ہے۔ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہم کلمہ گو مسلمان ہیں، دنیا میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہے جو اللہ پر ایمان نہیں لاتی، پھر بہت بڑی تعداد میں وہ لوگ بھی ہیں جو اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان نہیں لاتے، دنیا میں اس وقت کفر والحاد کے فتنے بھی پھیل رہے ہیں، ان حالات میں اللہ تعالیٰ اگر ہم سے خطاب کر رہا ہے تو یہ کس قدر راحت اور خوش قسمتی کی بات ہے۔ سیدنا علی ؓ فرماتے ہیں کہ جب میں اللہ سے کلام کرنا چاہتا ہوں تو میں نماز میں کھڑا ہو جاتا ہوں لیکن جب میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے کلام کرے تو میں قرآن حکیم کو کھولتا ہوں۔ ہمیں بھی اپنی خوش نصیبی کا ادراک ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے براہ راست خطاب کر رہا ہے اور اس کے بعد ہمیں چوکس بھی ہو جانا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے کیا تقاضا کر رہا ہے۔ یہاں یہ بنیادی تقاضا کیا جا رہا ہے کہ اللہ کا

مرتب: ابوابراهیم

تقویٰ اختیار کرو جیسا کہ تقویٰ اختیار کرنے کا حق ہے۔

تقویٰ کا ایک عام فہم اور سادہ مفہوم یہ بیان کیا جاتا ہے کہ مرنے کے بعد اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے لہٰذا اللہ سے ڈرو اور گناہوں سے بچو۔ یعنی اللہ سے ڈرنا اور گناہوں سے بچنا تقویٰ کا سادہ مفہوم ہے۔ خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق ؓ کے دور میں ایک بار یہ سوال اُٹھا کہ تقویٰ کیا ہے تو حضرت ابی بن کعب ؓ نے فرمایا: اے امیر المومنین! اگر آپ کا گزر کسی ایسے تنگ راستے سے ہو، جہاں دائیں بائیں کانٹے دار جھاڑیاں ہوں تو آپ کیسے گزریں گے؟ فرمایا: میں اپنے دامن کو سمیٹ کر اور بچتے بچاتے گزرنے کی کوشش کروں گا۔ حضرت ابی بن کعب ؓ نے فرمایا: یہی تقویٰ ہے۔ یہ دنیا کی زندگی ایک امتحان ہے۔ یہ وقتی اور عارضی گزرگاہ ہے مگر یہاں طرح طرح کے فتنے ہیں، مشکلات ہیں، مصائب ہیں، ان تمام حالات میں اپنے دامن کو گناہوں سے، اللہ کی نافرمانی سے بچا کر زندگی گزارنا تقویٰ ہے۔

آج ہم نے دنیوی مفادات کے تحت یا ڈاکٹرز کے کہنے پر چند حلال چیزوں کو بھی چھوڑ دیا۔ مثلاً کرونا وائرس کے دور میں ہم نے مسلمانوں بھائیوں سے مصافحہ کرنا، معانقہ کرنا، عید ملنا، قریب بیٹھنا بھی چھوڑ دیا تھا، حتیٰ کہ نماز میں بھی ایک دوسرے سے فاصلہ رکھنا شروع کرلیا تھا، دنیا کے کہنے پر، SOPs کے نام پر حلال چیزوں کو بھی چھوڑ دیا تھا، ذرا سوچیے! اللہ تعالیٰ کے کہنے پر ہم حرام چیزوں کو بھی چھوڑنے پر تیار ہیں؟ گناہوں اور برائیوں سے بچنے کا اہتمام کر رہے ہیں؟ ہمیں جسم تو عزیز ہے، کیا ہمیں روح بھی عزیز ہے؟ ہمیں دنیوی لحاظ سے اپنی حفاظت تو عزیز ہے کیا جہنم کی آگ سے بچنے کی بھی کوشش کر رہے ہیں؟ تقویٰ کا تقاضا تو یہ ہے کہ جس کا اللہ نے حکم دیا:

﴿وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿١٠٢﴾﴾ ''اور تمہیں ہرگز موت نہ آنے پائے مگر فرمانبرداری کی حالت میں۔''

یہ ہے حَقَّ تُقٰتِهٖ کہ جو تقویٰ اختیار کرنے کا حق ہے۔ اسی کی دعا ہم کسی مسلمان کے مرنے پر اس کی جنازے پر کرتے ہیں:

((اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهٗ مِنَّا فَاَحْيِهٖ عَلَى الْاِسْلَامِ، وَمَنْ تَوَفَّيْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَى الْاِيْمَانِ)) ''اے اللہ! جس کسی کو تو ہم میں سے زندہ رکھ اسلام کی حالت پر زندہ رکھ اور جس کسی کو تو ہم میں سے وفات دے اُسے ایمان کی حالت پر وفات دے۔''

اس تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ ہماری انفرادی زندگی میں بھی اسلام غالب ہو، گھر میں بھی اسلام نافذ ہو، کاروبار، دفتر، معاملات، رسومات، عدالت، سیاست، معیشت اور معاشرت میں بھی اسلام کا نفاذ ہو۔ یہی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

﴿ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً﴾ (البقرہ:208)
’’اسلام میں داخل ہو جاؤ پورے کے پورے۔‘‘

یہ پوری زندگی کا لائحہ عمل ہے جو اللہ کا قرآن ہمیں عطا کرتا ہے لیکن بدقسمتی سے اس کے برعکس ہمارے ہاں نعرے لگتے رہے: میرا جسم میری مرضی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حالانکہ یہ زندگی اللہ کی دی ہوئی امانت ہے، بندہ اس کا مالک نہیں ہے بلکہ اس کا امین ہے۔ اس زندگی کو اللہ کی مرضی کے مطابق گزارنا تقویٰ ہے جس کا اللہ تعالیٰ ہم سے تقاضا کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ اس کے بعد اگلی آیت میں فرمایا:

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾ (آل عمران:103) ’’اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو مل جل کر اور تفرقے میں نہ پڑو۔‘‘

پہلی آیت میں ہر مسلمان سے تقاضا تھا کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کر کے اللہ سے اپنا تعلق مضبوط کرے۔ اس آیت میں اجتماعیت کا تقاضا ہے کیونکہ ہمارا دین صرف انفرادی سطح تک محدود نہیں ہے بلکہ مکمل نظام زندگی کا احاطہ کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ تمام مسلمان اجتماعی سطح پر ایک نظام کے تحت جڑے رہیں۔ یہاں اللہ کی رسی سے مراد قرآن ہے۔ قرآن ہی مسلمانوں کو جوڑنے والی شے ہے۔ انسان ایک ذی شعور ہستی ہے جو سوچتا ہے، غور وفکر کرتا ہے اور قرآن انسانوں کو وہ فکر اور شعور عطا کرتا ہے جو ان کو اجتماعی سطح پر ایک نظام کے تحت زندگی گزارنے کے اصول سکھاتا ہے۔ ایک مسلمان ہر نماز کی ہر رکعت میں قرآن کی تلاوت کرتا ہے، اس کے علاوہ بھی قرآن کا مطالعہ کرتا ہے، چاہے وہ دنیا کے کسی بھی ملک میں ہو، کسی بھی رنگ، نسل، زبان سے تعلق رکھتا ہو۔ وہ قرآن سے ملی یکجہتی اور اتحاد و اتفاق کا پیغام حاصل کرتا ہے۔ بقول اقبال ؎

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

جامع ترمذی میں اللہ کے رسول ﷺ کی حدیث کے الفاظ ہیں:

((وَ هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِيْنُ)) ’’یہ (قرآن حکیم) اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے۔‘‘

اس کو تھامنے سے مراد یہ ہے کہ آپ قرآن کو کتاب ہدایت کے طور پر لیں، طلب ہدایت کے ساتھ اس کو سمجھ کر پڑھنے کی کوشش کریں، اس میں غور وفکر کریں تو اللہ تعالیٰ ہدایت بھی عطا فرمائے گا، نور بھی عطا فرمائے گا، شفاء اور رحمت بھی عطا فرمائے گا، اتحاد و اتفاق بھی عطا فرمائے۔ بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق کے عنوان سے بہت جامع خطاب موجود ہیں جواب اُردو اور انگریزی کتابچوں کی صورت میں شائع بھی ہو رہے ہیں۔ اس میں انہوں نے قرآن مجید کے 5 حقوق گنوائے ہیں:

1۔ قرآن پر زبان سے بھی اور دل کی گہرائیوں سے بھی ایمان لایا جائے۔
2۔ قرآن کی باقاعدہ تلاوت کی جائے۔
3۔ قرآن کے پیغام کو طلب ہدایت کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کی جائے۔
4۔ قرآن کے احکام پر انفرادی سطح پر بھی عمل کیا جائے اور اجتماعی سطح پر ان کے نفاذ کی جدوجہد کی جائے۔
5۔ قرآن کے پیغام کو دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کی جائے۔

یہ قرآن مجید کے ہر مسلمان پر حقوق ہیں مگر بدقسمتی یہ ہے کہ 99 فیصد مسلمان شاید زندگی بھر قرآن کو ترجمے کے ساتھ مکمل طور پر پڑھنے کی سعادت حاصل نہیں کرتے۔ لہٰذا تفرقے میں مبتلا ہونے کی بڑی وجہ یہی ہے کہ ہم نے قرآن مجید کو فراموش کر رکھا ہے۔ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے الفاظ مفتی شفیع عثمانی صاحبؒ نے اپنے کتابچے وحدت اُمت میں نقل کیے ہیں کہ جب میں مالٹا میں انگریزوں کی قید میں تھا تو میں نے مسلمانوں کے زوال کے متعلق بہت غور وفکر کیا۔ مجھے دو بنیادی وجوہات نظر آئیں:

1۔ ہم نے قرآن کو چھوڑ دیا۔
2۔ تفرقوں میں پڑ گئے۔

میرا ارادہ ہے کہ رہائی کے بعد میں قرآن کی تعلیم کو عام کروں، بچوں کے لیے تجوید کے مکاتب کھولے جائیں اور بڑوں کے لیے عوامی سطح پر دروس قرآن کا سلسلہ شروع کیا جائے۔ مفتی شفیع عثمانی صاحبؒ نے لکھا کہ بنیادی طور پر مسلمانوں کے زوال کا سبب ایک ہی ہے، انہوں نے قرآن کو چھوڑ دیا، اسی وجہ سے تفرقہ میں پڑ گئے۔ اگر ہم نے واقعی قرآن کو تھاما ہوتا تو آج ہم تفرقوں میں نہ پڑے ہوتے۔ مولانا محمود حسنؒ کے اس خواب کو ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے پورا کیا جنہوں نے عوامی سطح پر دروس قرآن کا سلسلہ شروع کیا، رجوع الی القرآن کے کورسز شروع کیے اور رمضان میں تراویح کے دوران دورہ ترجمہ قرآن شروع کیا۔ آج یہ سلسلہ پورے پاکستان میں اور بیرون ملک بھی پھیل رہا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیں توفیق عطا فرمائی اور علم فاؤنڈیشن کے ذریعے قرآن مجید کا ایک متفقہ نصاب بمع مختصر تشریح تیار کیا۔ 2017ء میں وفاقی وزیر تعلیم بلیغ الرحمان نے تمام مکاتب فکر کے علماء کو دعوت دی کہ قرآن کے اس متفقہ ترجمہ اور نصاب کو سکولوں میں رائج کرنے کے لیے اپنی آراء دیں۔ تمام مکاتب فکر کے علماء، پانچوں وفاقوں کی نمائندہ تنظیم اتحاد تنظیمات مدارس پاکستان نے اس سے اتفاق کیا اور آج الحمد للہ پاکستان میں کروڑوں طلبہ و طالبات اس متفقہ ترجمہ قرآن اور نصاب کو پڑھ رہے ہیں۔ جب پاکستان کے کروڑوں طلبہ و طالبات ایک جیسا نصاب اور ایک جیسا ترجمہ قرآن وتشریح پڑھیں گے تو ان میں فکری ہم آہنگی پیدا ہوگی۔

پچھلی آیت میں تقویٰ کا تقاضا کیا گیا اور تقویٰ کا ایک بہت بڑا حاصل کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝﴾ (الطلاق) ’’اور جو شخص اللہ کا تقویٰ اختیار کرے گا‘ اللہ اس کے لیے (مشکلات سے) نکلنے کا راستہ پیدا کر دے گا۔‘‘

دوسری آیت کا حاصل یہ ہے کہ قرآن کو مضبوطی سے تھامے رہو گے تو تفرقے میں نہیں پڑو گے۔ حدیث کے الفاظ ہیں کہ قرآن اللہ کی رسی ہے، اس کو تھامے رہو گے تو کبھی ہلاک نہیں ہو گے اور نہ کبھی گمراہ ہو گے۔ یہ قرآن مجید کی ہی برکات تھیں کہ وہ عرب جو گھوڑے دوڑانے اور پانی پلانے جیسی معمولی باتوں پر جھگڑے اور قتل و غارت پر تل جاتے تھے، وہی عرب اس قرآن کی بدولت متحد و منظم ہو کر ایک ایسی انقلابی جماعت بن گئے کہ جس نے دنیا کی سپر پاورز اور پوری دنیا کے نظام کو بدل ڈالا۔ اسی بات کو زیر مطالعہ آیت میں آگے بیان کیا گیا:

﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا﴾ (آل عمران) ’’اور ذرا یاد کرو اللہ کا جو انعام تم پر ہوا جبکہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے‘ تو اللہ نے تمہارے دلوں کے اندر اُلفت پیدا کر دی‘ پس تم اللہ کے فضل و کرم سے بھائی بھائی بن گئے۔‘‘

یہ تو وہ برکات تھیں جو دنیا میں قرآن کو تھامنے سے حاصل ہوئیں لیکن اس کے اُخروی فوائد بھی ہیں۔ فرمایا:

﴿وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ١٠٣﴾ ’’اور تم تو آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ گئے تھے (بس اس میں گرنے ہی والے تھے) تو اللہ نے تمہیں اس سے بچا لیا۔ اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی

آیات واضح کر رہا ہے تا کہ تم راہ پاؤ (اور صحیح راہ پر قائم رہو)۔"

اگر قرآن ذریعۂ ہدایت نہ بنتا تو گمراہی اور جہالت جہنم میں لے جاتی مگر اللہ نے احسان کیا اور قرآن کے ذریعے جہاں ہدایت، شعور، اتفاق اور اجتماعی طاقت ملی، وہاں آخرت کی دائمی زندگی میں بھی کامیابی عطا ہوئی۔

آج ہمارا حال کیا ہے؟ سڑکوں پر سرعام لوٹ مار، قتل اور ڈاکہ زنی جاری ہے، ایک طبقہ سرعام ذخیرہ اندوزی اور اشیاء کو مہنگا کر کے لوگوں کو لوٹ رہا ہے، عام آدمی سے لے کر ریاست کی سطح تک کرپشن اور لوٹ مار جاری ہے، کوئی پوچھنے والا نہیں ہے، افراتفری اور انتشار ہے۔ اگر ہم نے واقعی قرآن کو تھاما ہوتا تو آج ہمارا یہ حال ہرگز نہ ہوتا۔

کیونکہ جو قرآن کو تھامے ہوتے ہیں اُن کی صفات اللہ بیان کرتا ہے: ﴿وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ﴾ (الحشر: 9) "اور وہ تو خود پر ترجیح دیتے ہیں دوسروں کو خواہ اُن کے اپنے اوپر تنگی ہو۔"

آج ہمارے جو حالات ہیں، ان حالات میں بہت ضروری ہے کہ ہم قرآن کو اُس طرح تھام لیں جس طرح قرآن چاہتا ہے، اگر ہم ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ یہ انتشار اور افراتفری، لوٹ مار، قتل وغارت گری ختم کر دے گا اور ہمیں قومی سطح پر اتفاق، اتحاد اور یکجہتی عطا فرمائے۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ ہماری آخرت بھی سنوار دے گا۔

اگلی آیت میں فرمایا:

﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ﴾ (آل عمران) "اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ضرور ہونی چاہیے جو خیر کی طرف دعوت دے، نیکی کا حکم دیتی رہے اور بدی سے روکتی رہے۔"

پہلی آیت میں فرمایا کہ ہر بندہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرے۔ جب ہر بندہ تقویٰ اختیار کرے گا، گناہوں سے بچے گا اور اللہ سے تعلق مضبوط کرے گا تو وہ شعوری طور پر ایک مضبوط انسان بن جائے گا۔ ایسے تمام انسان جب قرآن کو تھام لیں گے تو وہ آپس میں جڑ کر چٹان کی طرح مضبوط انقلابی جماعت بن جائیں گے۔ پھر اس جماعت کا کوئی مقصد بھی ہوگا۔ وہی مقصد یہاں بیان ہو رہا ہے کہ تم برائی کے خلاف کھڑے ہو گے اور نیکی کا حکم دو گے۔ اسی سورت میں آگے فرمایا: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ﴾ (آل عمران: 110)

"تم وہ بہترین اُمت ہو جسے لوگوں کے لیے برپا کیا گیا ہے، تم حکم کرتے ہو نیکی کا، اور تم روکتے ہو بدی سے، اور تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر۔"

اس کو کھڑا کرنے کا مقصد بہت عظیم اور بڑا ہے۔ جب اُمت اس مقصد کے لیے کھڑی ہوگی تو دنیا میں برائی کا خاتمہ ہو جائے گا اور ہر طرف نیکی، عدل، انصاف اور خیر و برکت کا معاملہ ہوگا۔ بدقسمتی سے آج اُمت کا بڑا حصہ اس عظیم مقصد کو فراموش کر چکا ہے، اسی وجہ سے اُمت خود بھی زوال کا شکار ہے اور پوری دنیا میں ظلم اور ناانصافی کا راج ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی زندگی میں اس مشن کو پورا کر کے دکھایا اور اُمت کے لیے ایک نمونہ چھوڑا۔

﴿يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ (الاعراف: 157) "وہ انہیں نیکی کا حکم دیں گے، تمام برائیوں سے روکیں گے۔"

ختم نبوت کے بعد اب اُمت مسلمہ کی یہ اجتماعی ذمہ داری ہے کہ وہ برائی اور باطل نظام کے خلاف کھڑی ہو اور نیکی اور عدل کا نظام قائم کرے۔ آج اگر اُمت کی بڑی تعداد سو رہی ہے تو جن کو احساس ہے وہ تو جاگیں اور دوسروں کو بھی جگائیں۔ اکثریت کا اگر قرآن سے دوری کا معاملہ ہے تو جو قرآن کو پڑھتے ہیں وہ تو اس پر غور کریں اور دوسروں تک بھی اس کا پیغام پہنچائیں، دوسروں کو بھی قرآن سے جوڑنے کی کوشش کریں۔ پھر یہ سب بیدار لوگ مل کر ایک جماعت کی شکل اختیار کریں اور پھر اجتماعی طور پر برائی اور باطل نظام کے خلاف جدوجہد کا آغاز کریں۔ اسی مقصد کے لیے اس اُمت کو کھڑا کیا گیا ہے۔

برائی سے روکنے اور نیکی کا حکم دینے کا آغاز اپنی ذات سے ہوگا، پھر اپنے گھر، اپنے دائرہ اختیار اور پھر معاشرے میں اس کے نفاذ کے لیے اجتماعی جدوجہد ہوگی۔ سب سے بڑھ کر اختیار ریاست اور حکمرانوں کے پاس ہوتا ہے تو اُن کی بھی اس حوالے سے ذمہ داری ہے۔ قرآن میں فرمایا:

﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝﴾ (الحج)

"وہ لوگ کہ اگر انہیں ہم زمین میں تمکن عطا کر دیں تو وہ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے اور وہ نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے۔ اور تمام امور کا انجام تو اللہ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے۔"

ہر ہر سطح پر یہ کام کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر ہم ایسا نہیں کریں گے تو اللہ ہم سے راضی نہیں ہوگا۔ جامع ترمذی کی روایت ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: تم لازماً نیکی کا حکم دو گے اور تم لازماً بدی سے روکو گے اور اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو اندیشہ ہے کہ تم پر اللہ کا عذاب آجائے اور پھر تم اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگو گے مگر اللہ تمہاری دعائیں قبول نہ فرمائے گا۔

آج انفرادی سطح پر بھی ہم دعائیں مانگ رہے ہیں، حج اور عمرہ میں بھی رو رو کر دعائیں مانگتے ہیں مگر ہمارے حالات بدل نہیں رہے تو اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ ہم نے بحیثیت اُمتی اپنے بنیادی اور اہم ترین فریضہ کو چھوڑ دیا ہے۔ امام ابن کثیرؒ نے ماضی کے واقعات نقل کیے ہیں کہ کئی مرتبہ اُمت میں وبائیں پھیل گئیں، مسلم حکمرانوں کو احساس دلایا گیا کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فریضہ کی ریاستی سطح پر اہتمام کیا جائے اور عوام میں بھی اس کا حکم جاری کیا جائے۔ جب ایسا کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے کرم کیا اور آئی ہوئی بلائیں بھی ٹل گئیں۔ ہمارے ہاں جب کرونا وباء پھیلی تھی تو حکومت نے آرڈر جاری کر کے مسجدیں بند کروا دیں، کئی خیر کے کاموں کو بند کروا دیا لیکن شراب خانے، کلب، سود، جوئے اور فحاشی کے اڈے کھلے رہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون! اس کے بعد بھی ہم کہتے ہیں کہ ہماری دعائیں قبول کیوں نہیں ہو رہیں؟ اُمت کے حالات بدل کیوں نہیں رہے؟

یہ قرآن زندہ کلام ہے، اس میں ہمارے لیے رہنمائی اور ہدایت ہے اور ہمارے تمام مسائل کا حل بھی موجود ہے۔ جو لوگ تقویٰ اختیار کریں گے اور قرآن کو مضبوطی سے تھامیں گے، برائی سے روکیں گے اور نیکی کا حکم دیں گے وہی لوگ دنیا اور آخرت میں کامیاب ہوں گے۔ جیسا کہ آخر میں فرمایا:

﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝﴾ "اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔"

آج ہم انفرادی اور اجتماعی سطح پر جن مسائل اور مصائب کا شکار ہیں، ان سے نکلنے کا پورا لائحہ عمل قرآن ہمیں دے رہا ہے۔ اس لائحہ عمل کے مطابق ہم اپنی زندگیوں کو ڈھال کر ہر طرح مسائل اور مصائب سے نجات پا سکتے ہیں اور اُخروی کامیابی اور فلاح کے بھی حقدار بن سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس لائحہ عمل پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

❀❀❀

اُمّتِ مُسلمہ کی حالتِ زار اور راہِ نجات

(سہ ورقہ)

تنظیم اسلامی

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ

اُمّتِ مُسلمہ

اُمّتِ مُسلمہ وہ برگزیدہ جماعت ہے جس کے لیے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کعبہ کے وقت یہ دعا فرمائی تھی: ''اے ہمارے رب! ہمیں اپنا فرماں بردار بنا اور ہماری نسل سے ایک ایسی اُمّت پیدا فرما جو تیری فرماں بردار ہو۔'' (البقرۃ:128)۔ گویا اُمّت کی جڑ اور بنیاد میں توحید اور بندگیٔ رب کا تصور موجود ہے۔ آپ علیہ السلام نے اسی امت کی فکری و روحانی تربیت کے لیے رسولِ اکرم ﷺ کی بعثت کی بھی التجا فرمائی تھی۔ (البقرۃ:129)

چنانچہ نبی رحمت ﷺ کی بعثت مبارکہ کے نتیجے میں وہ عالمگیر اُمّت وجود میں آئی جسے بارگاہِ الٰہی سے ''اُمّت وسط'' اور ''خیر اُمّت'' کا شرف عطا کیا گیا۔

اُمّتِ مُسلمہ کی ذمہ داری

یہ وہ اُمّت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی ہدایت، رہنمائی اور دینِ حق کی گواہی کے لیے منتخب فرمایا ہے۔ قرآنِ مجید میں اس منصب کو ''شہادتِ علی النّاس'' کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے (الحج:78)، اور اس کا عملی مظہر ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' کے فریضے کو قرار دیا گیا ہے (آلِ عمران:104،110)۔ مزید برآں، اُمّتِ مُسلمہ سے اقامتِ دین کی مخلصانہ جدوجہد (الشوریٰ:13) اور قیامِ عدل کا بھی مطالبہ ہے (النساء:135)۔ اس اُمّت کا عروج قرآنِ کریم سے مخلصانہ وابستگی اور اس کے احکام کے نفاذ سے مشروط ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعہ بہت سی قوموں کو بلندی عطا فرماتا ہے اور اسی کے ذریعے دوسروں کو پست کر دیتا ہے۔'' (صحیح مسلم)

اُمّتِ مُسلمہ کا ابتدائی عروج

نبی اکرم ﷺ نے اس اُمّت کو جو عظیم مشن عطا فرمایا، اس کا مثالی نمونہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں میں نظر آتا ہے۔ انہوں نے قرآنِ حکیم کو محض پڑھا ہی نہیں، بلکہ اسے اپنا دستورِ حیات بنایا اور شریعتِ اسلامی کو بالفعل نافذ کر کے دکھایا۔ نتیجتاً، اللہ تعالیٰ نے چند ہی دہائیوں میں عالمِ انسانیت کی قیادت اُن کے سپرد کر دی۔ اسی کی برکت تھی کہ ایران اور روم جیسی بڑی سلطنتیں بھی اسلام کے عادلانہ نظام کے سامنے ٹھہر نہ سکیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب اُمّتِ مُسلمہ نے قرآن کو اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی کا محور بنایا اور قرآن کریم کے عطا کردہ دستورِ حیات نافذ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے رفعت، عزت اور غلبہ عطا فرمایا اور تقریباً ایک ہزار سال تک دنیا کی رہنمائی کا فریضہ اسی اُمّت نے ادا کیا۔

زوال کا آغاز اور موجودہ صورتِ حال

جب اُمّت کا قرآنِ مجید سے تعلق کمزور پڑا، اس کے معانی و مقاصد سے دوری بڑھی اور عمل کی روح رخصت ہوئی، تو اسلام کا ہمہ گیر اور حرکی تصور ذہنوں سے اوجھل ہو گیا۔ دین محض چند عبادات اور روایتی رسومات تک محدود ہو کر رہ گیا اور حیاتِ اجتماعی —— معاشرت، معیشت اور سیاست —— سے اس کی آفاقی تعلیمات کو فراموش کر دیا گیا؛ یہی اُمّت کے زوال کا نقطۂ آغاز تھا۔

آج اُمّتِ مسلمہ تعداد میں تو کثیر ہے، مگر وزن اور اثر و رسوخ کے اعتبار سے انتہائی نحیف۔ نبی اکرم ﷺ نے اسی کیفیت کی ہو بہو پیش گوئی فرمائی تھی: ''قریب ہے کہ دوسری قومیں تم پر ایسے ٹوٹ پڑیں جیسے دسترخوان پر کھانے کے لیے لوگ ایک دوسرے کو بلاتے ہیں۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ''کیا اُس وقت ہماری تعداد کم ہوگی؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں، بلکہ تم کثرت میں ہو گے مگر 'وہن' کا شکار ہو جاؤ گے۔'' دریافت کیا گیا: ''وہن کیا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''دنیا کی محبت اور موت کا خوف۔'' (سنن ابی داؤد)۔ یہی المیہ آج عالمِ اسلام پر طاری ہے۔ اُمّت کا بیشتر حصہ اپنی اصل ذمہ داری یعنی ''شہادتِ علی النّاس'' کو فراموش کر کے محض مادی مفادات اور باہمی تنازعات میں اُلجھ چکا ہے۔ نتیجہ یہ کہ مسلم معاشرے داخلی طور پر کمزور اور خارجی طور پر بیرونی جارحیت کا آسان ہدف بن چکے ہیں۔ آج مسلمان ایک ایک کر کے مٹائے جا رہے ہیں اور باقی اُمّت نہ توان کی نصرت کے لیے تیار ہے، اور نہ ہی بظاہر اس کی ہمت و سکت رکھتی ہے۔

اُمّتِ مُسلمہ کی حالتِ زار

آج اُمّتِ مسلمہ —— جس کے سپرد 'شہادتِ علی النّاس' کا عظیم فریضہ تھا —— کی اکثریت اس ذمہ داری کو فراموش کر کے مادی منفعت اور دنیا پرستی کی اندھی دوڑ میں مگن ہے۔ 1924ء میں خلافتِ عثمانیہ شکست و ریخت کا شکار ہوئی تو اُمّتِ مُسلمہ بالفعل قائم ہی نہ رہی اور عالمِ اسلام جغرافیائی طور پر چھوٹی چھوٹی قومی ریاستوں (Nation States) میں تقسیم ہو گیا۔ آج 57 کے قریب مسلم ممالک کے حکمران اور عوام کی اکثریت اللہ سے نہیں، بلکہ دین دشمن یہود، ہنود اور نصاریٰ سے ڈرتی ہے۔ گویا ان کی بقا کا پروانہ خالق کے نہیں بلکہ مخلوق کے ہاتھ میں ہو۔ یہی نفسیاتی شکست ہے کہ دشمن ہم پر مسلسل غالب ہیں؛ کبھی فلسطین، کشمیر، افغانستان اور شام، تو کبھی لیبیا، غزہ، لبنان اور ایران پر یلغار ہوتی ہے، جہاں بستیاں اجاڑ کر لاکھوں معصوم جانوں کا خون بہایا جاتا ہے، لیکن ''اُمّت'' میں اتنی جرأت اور ہمت نہیں کہ 57 مسلم ممالک اکٹھے ہو کر ان حملہ آور طاغوتی قوتوں کے خلاف کوئی مؤثر آواز ہی بلند کر سکیں۔

دشمن کی ریشہ دوانیوں کے باوجود، اُمّتِ مسلمہ کی موجودہ زبوں حالی، سیاسی و معاشی محکومی، فکری انتشار اور اخلاقی تنزلی کا اصل سبب وسائل کی کمی یا عددی قلت نہیں، بلکہ قرآنِ حکیم سے ہمارا عملی و شعوری تعلق ٹوٹ جانا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب تک اس اُمّت نے قرآن و سنت کو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا محور بنائے رکھا، اللہ تعالیٰ نے اسے عزت، غلبہ اور جہان بانی عطا فرمائی؛ اور جیسے ہی کتابِ ہدایت اور اسوۂ نبوی ﷺ سے روگردانی کی، ذلت و مغلوبیت اس کا مقدر بن گئی۔ بقول شاعر:

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

راہِ نجات

قرآنِ حکیم فلاح و کامیابی کا واحد راستہ دکھاتے ہوئے اعلان کرتا ہے: ''اور اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ میں نہ پڑو'' (آلِ عمران:103)۔ احادیثِ مبارکہ کی رو سے اللہ کی یہ مضبوط رسی ''قرآنِ کریم'' ہے (جامع ترمذی)۔ دراصل یہی وہ کتاب ہے جو

انسانیت کی صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کرتی ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''یقیناً یہ قرآن اس راستے کی رہنمائی کرتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھا ہے'' (بنی اسرائیل:9)۔ لہٰذا، اُمّتِ مُسلمہ کی نشاۃِ ثانیہ کا آغاز بھی اسی نقطے سے ہوگا جہاں سے اس کا عروج شروع ہوا تھا؛ یعنی تجدیدِ ایمان، قرآنِ حکیم سے زندہ تعلق کی بحالی اور اسوۂ حسنہ ﷺ کی عملی پیروی۔ اس عظیم مقصد کے لیے ناگزیر ہے کہ ہم:

* قرآنِ حکیم کی تلاوت کے ساتھ اس کے فہم کے حصول اور اس پر عمل پیرا ہونے کا مستقل اہتمام کریں۔
* اپنی انفرادی زندگی اور گھر کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی کامل اطاعت کے تابع بنائیں۔
* اُمّت کے مابین اتحاد، اخوت اور مقصدِ حیات کے شعور کو فروغ دیں۔
* ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' کو اپنی بنیادی اجتماعی ذمہ داری سمجھیں۔
* ''شہادت علی الناس'' اور'' اقامتِ دین'' کی مخلصانہ جدوجہد میں اپنی بہترین صلاحیتیں وقف کریں۔

خلاصۂ کلام

اُمّتِ مُسلمہ کی تنزلی کی بنیادی وجہ شعوری ایمان کی کمزوری ہے، جس کے حصول کا اہم ترین ذریعہ قرآنِ حکیم ہے۔ اس زوال سے نکلنے کے لیے اصحابِ فکر و دانش سمیت عوام الناس کا قرآن کے ساتھ فکری اور زندہ تعلق پیدا کرنا ناگزیر ہے۔ تاریخ اور سنتِ الٰہی گواہ ہے کہ مادی وسائل کی کثرت نہیں بلکہ ہمیشہ ایمانی قوت ہی اُمّتِ مُسلمہ کا مقدر بدلتی ہے۔

اُمّت کی کھوئی ہوئی منزل کے حصول کے لیے قرآنِ حکیم سے تعلق بحال کرنا اور اسوۂ حسنہ ﷺ کی روشنی میں بالترتیب اپنی ذات، خاندان، معاشرہ اور پاکستان میں دینِ حق کے غلبہ کے لیے تن من دھن لگانا لازم ہے۔ اس داخلی استحکام کے بعد، دنیا بھر کے مسلمانوں کو اُمّت کے مقصدِ حقیقی سے جوڑنا ضروری ہے، تاکہ پہلے پاکستان اور پھر پوری دنیا میں عادلانہ نظامِ خلافت قائم ہو سکے۔

مسلمانوں کی نجات دنیا پرستی چھوڑنے، حقیقی ایمان بیدار کرنے اور اخوت قائم کرنے میں ہے۔ وقت کا تقاضا ہے کہ اُمّت معاشی و عسکری میدانوں میں بھی متحد ہو اور اسلام کو انفرادی اور اجتماعی سطح پر نافذ کرنے کی عملی جدوجہد کرے۔ اسی جدوجہد کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی نصرت اور اس کی طرف سے ثابت قدمی عطا کرنے کا وعدہ ہے۔ (سورۂ محمد:7)

❁❁❁

امیر تنظیم اسلامی کا علمائے کرام کے نام خط

تنظیم اسلامی کے زیرِ اہتمام ملک گیر آگاہی مہم ''اُمّتِ مُسلمہ کی حالتِ زار اور راہِ نجات''

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ آپ مزاجِ گرامی، ایمان اور صحت کے اعتبار سے خیریت سے ہوں گے اور دینِ اسلام کی خدمت کے مبارک اور مقدس فریضے میں مصروفِ عمل ہوں گے۔

جنابِ عالی! اُمّتِ مُسلمہ آج جن فکری، اخلاقی، سیاسی اور معاشرتی چیلنجز سے دوچار ہے، وہ اہلِ درد سے پوشیدہ نہیں۔ ایک طرف باطل قوتیں پوری شدت کے ساتھ اُمّت پر حملہ آور ہیں اور دوسری طرف مسلمان قرآن وسنت کی تعلیمات سے دوری، باہمی تفرقہ اور انتشار کا شکار ہیں۔ ایسے حالات کے بارے میں قرآنِ حکیم رہنمائی فرماتا ہے: ''خشکی اور تری میں فساد برپا ہوگیا ہے لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی کے سبب، تاکہ اللہ تعالیٰ اُنہیں اُن کے بعض اعمال کا مزہ چکھائے، شاید کہ وہ رجوع کرلیں۔'' (الروم: 41)۔ مزید براں اُمّتِ مُسلمہ کی راہِ نجات کے لیے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''پس آپ یکسو ہوکر اپنا رخ اس دینِ مستقیم کی طرف قائم رکھیے، اس سے پہلے کہ اللہ کی طرف سے وہ دن آپہنچے جس کے ٹلنے کی کوئی صورت نہیں۔'' (الروم:43)۔

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمان محض ذاتی اور دنیاوی مفادات کو مقصود نہ بنائیں بلکہ منصبِ اُمّت کو پہچانیں اور اس کے تقاضوں کو پورا کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اس اُمّت کو انسانیت کی رہنمائی، حق کی گواہی اور عدل کے قیام کے لیے منتخب فرمایا ہے۔ جب اُمّت دوبارہ قرآن حکیم کو اپنا امام بنائے گی، اپنے مقصدِ وجود کو سمجھے گی اور دینِ حق کے غلبہ کے لیے منظم جدوجہد کرے گی تو ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید ایک مرتبہ پھر اُس کے شاملِ حال ہوگی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اللہ تعالیٰ ضرور اس کی نصرت فرمائے جو اس (کے دین) کی مدد کرے گا'' (الحج:40)۔ اسی حقیقت کے پیشِ نظر تنظیم اسلامی کے زیرِ اہتمام 31 جولائی 2026ء بروز جمعۃ المبارک سے تین ہفتوں پر مشتمل ایک ملک گیر آگاہی مہم بعنوان ''اُمّتِ مُسلمہ کی حالتِ زار اور راہِ نجات'' کا آغاز کیا جارہا ہے۔

آپ سے مؤدبانہ التجا ہے کہ تعاون علی البر فرماتے ہوئے خطباتِ جمعہ، دروسِ قرآن، عوامی اجتماعات اور دیگر دعوتی مواقع پر بالخصوص ''اُمّتِ مُسلمہ کی حالتِ زار اور راہِ نجات'' کو موضوعِ گفتگو بنائیں اور لوگوں کو انفرادی و اجتماعی توبہ، تجدیدِ ایمان اور فریضۂ اُمّت کو ادا کرنے کی دعوت دیں۔

اللہ عزوجل سے دعا ہے کہ وہ آپ کی جملہ دینی مساعی قبول فرمائے، دین کی خدمت کی مزید توفیق عطا فرمائے، دنیا و آخرت کی بھلائیوں سے نوازے، ہمیں حق پر استقامت عطا فرمائے اور اپنی نصرت و تائید ہمارے شاملِ حال رکھے۔

والسلام مع الاکرام

شجاع الدین شیخ

امیر تنظیم اسلامی پاکستان

اُمّتِ مُسلمہ کی تاریخ اور موجودہ زبوں حالی

ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ

بنی اسرائیل کی تاریخ کا آغاز اگرچہ ویسے تو لگ بھگ 1800 قبل مسیح میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے حضرت یعقوب علیہ السلام کے زمانے سے ہوتا ہے، لیکن ان کو اُمّتِ مُسلمہ کی حیثیت تقریباً 1350 ق م میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں حاصل ہوئی جب انہیں تورات عطا ہوئی اور ان سے کتابِ الٰہی کو مضبوطی سے تھامنے اور شریعت خداوندی پر کاربند رہنے کا وہ پختہ عہد لیا گیا جس کا ذکر قرآن مجید میں بار بار بہت شدومد سے آتا ہے۔ بہرحال اُس وقت سے لے کر ساتویں صدی عیسوی کے آغاز تک، جب خاتم النبیین اور سید المرسلین محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی، گویا لگ بھگ دو ہزار برس تک بنی اسرائیل ہی کو اس دنیا میں کتابِ الٰہی کی امین اور شریعت خداوندی کی حامل اُمّتِ مُسلمہ کی حیثیت حاصل رہی۔ تا آنکہ 624ء میں تحویل قبلہ کو بنی اسرائیل کی معزولی اور نئی اُمت یعنی اُمّتِ محمد ﷺ کے اس منصب پر فائز کیے جانے کی علامت بنا دیا گیا۔ چنانچہ اس کے بعد سے تا قیامِ قیامت اُمّتِ محمد ﷺ ہی کتاب و شریعت کی حامل و امین اور روئے ارضی پر اللہ کی نمائندگی کی ذمہ دار ہے۔

قرآن حکیم میں دوبار یہ آیت مبارکہ سابقہ اُمّتِ مُسلمہ کے ضمن میں وارد ہوئی: ’’اے بنی اسرائیل! یاد کرو میرے اس انعام کو جو میں نے تم پر کیا، اور میں نے تو تمہیں تمام جہانوں (یعنی تمام جہان والوں) پر فضیلت دے دی تھی!‘‘ (البقرۃ:47)

لیکن اُمّتِ محمد ﷺ کو ایک مزید درجۂ فضیلت اس بنا پر حاصل ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت تمام سابق انبیاء و رُسل کے مانند صرف اپنی اپنی قوموں کی جانب نہیں، بلکہ پوری نوعِ انسانی کی جانب ہوئی، جیسے سورۂ سبا کی آیت 28 میں فرمایا: ’’اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر تمام انسانوں کے لیے بشیر اور نذیر بنا کر!‘‘ لہٰذا آپ ﷺ کی اُمّت گویا اجتماعی طور پر تا قیامِ قیامت فریضۂ رُسالت کی امین بھی ہے۔ اس لیے کہ یہی از روئے قرآن نبی اکرم ﷺ کا مقصدِ بعثت ہے۔ جیسے کہ قرآن حکیم میں تین بار فرمایا گیا: ’’وہی ہے (اللہ) جس نے بھیجا اپنے رسول (محمد ﷺ) کو الہدیٰ (قرآن حکیم) اور دین حق (اسلام) دے کر تاکہ غالب کریں اسے (دین حق کو) پورے کے پورے دین (نظام زندگی) پر۔‘‘ (التوبۃ:33، الفتح:28، الصف:9)

یہی وجہ ہے کہ اُمّتِ محمد ﷺ کو ’’اُمّتِ وسط‘‘ بھی قرار دیا گیا جس کا فرض پوری نوعِ انسانی پر اللہ اور رسول ﷺ کی جانب سے شہادت یعنی اتمامِ حجت کا فریضہ ادا کرنا ہے اور ’’خیرِ اُمّت‘‘ یعنی بہترین اُمّت کا خطاب بھی دیا گیا ’’جو پوری نوعِ انسانی کے لیے برپا کی گئی ہے۔‘‘

بنی اسرائیل کی تاریخ کے اس دو ہزار سالہ دَور کا وہ خلاصہ جو نئی اُمّتِ مُسلمہ یعنی اُمّتِ محمد ﷺ کی سبق آموزی اور عبرت پذیری کے لیے کافی تھا۔ کمالِ فصاحت اور غایت اختصار کے ساتھ قرآن حکیم میں سورۂ بنی اسرائیل کے پہلے رکوع کی چھ (2 تا 7) اور آخری رکوع کی چار (101 تا 104) یعنی کل دس آیات میں بیان کر دیا گیا ہے۔

امام ترمذیؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ’’میری اُمت پر بھی لازماً وہ تمام حالات وارد ہو کر رہیں گے جو بنی اسرائیل پر وارد ہوئے، ہو بہو بالکل ایسے جیسے (ایک جوڑے کی) ایک جوتی دوسری جوتی سے مشابہ ہوتی ہے۔‘‘

اُمّتِ مُسلمہ کے عروج و زوال کے تاریخی خاکے کے ضمن میں دو باتیں پیشگی سمجھ لینی چاہئیں: ایک یہ کہ اپنی ہیئت تشکیلی کے اعتبار سے اُمّتِ محمد ﷺ کے دو حصے ہیں۔ پہلا ’’اُمیین‘‘، یعنی بنی اسماعیل پر مشتمل ہے اور اسے اس اُمّت کے قلب یا مرکز کی حیثیت حاصل ہے، اور دوسرا ’’آخرین‘‘ یعنی دیگر اقوام پر مشتمل ہے، خواہ وہ کرد ہوں یا ترک، اہل فارس ہوں یا اہل ہند، افغان ہوں یا مغل، اہل حبش ہوں یا بربر، شرق بعید یعنی ملایا اور انڈونیشیا سے تعلق رکھتے ہوں یا مغرب بعید یعنی مراکو اور موریطانیہ سے۔

دوسرے یہ کہ جغرافیائی اعتبار سے بھی عالم اسلام کو تین حصوں میں منقسم سمجھنا چاہیے، یعنی ایک قلب، دوسرے میمنہ اور تیسرے میسرہ۔ اگر دنیا کے نقشے کو سامنے رکھ کر عالم اسلام پر نگاہ جمائی جائے تو وہ ایک ایسے عقاب کے مانند نظر آئے گا جو اپنے دونوں بازوؤں کو پوری طرح پھیلائے محوِ پرواز ہو۔ جزیرہ نمائے عرب، عراق، فلسطین، شام اور ایشیائے کوچک جو عالم اسلام کے قلب کی حیثیت رکھتے ہیں، اس عقاب کے جسم کے مانند نظر آئیں گے جن میں سے ایشیائے کوچک کو اس کے سر اور چونچ سے مشابہت ہے اور جزیرہ نمائے عرب کے جنوبی حصے کو اس کے دُم کے پھیلے ہوئے پروں سے۔ اس عقاب کا دایاں بازو (میمنہ) ایران، ترکستان، افغانستان اور برصغیر پاک و ہند سے ہوتا ہوا ملایا اور انڈونیشیا تک پھیلا ہوا ہے، اور بایاں بازو (میسرہ) پورے شمالی افریقہ کو لپیٹ میں لیتا ہوا اسپین تک چلا گیا ہے۔

سن عیسوی کے حساب سے اُمّتِ مُسلمہ کی تاریخ کا آغاز ساتویں صدی سے ہوتا ہے، اس لیے کہ آنحضور ﷺ کی ولادت باسعادت 571ء میں ہوئی۔ 610ء میں آپؐ نے اپنی دعوت کا آغاز فرمایا اور محتاط ترین حساب کے مطابق اپریل 632ء میں آپؐ جزیرہ نمائے عرب کی حد تک اسلامی انقلاب کی تکمیل فرما کر ’’رفیقِ اعلیٰ‘‘ سے جا ملے۔

آٹھویں، نویں اور دسویں صدی عیسوی کا زمانہ عربوں کے عروج کا دور ہے، جس کے دوران اسلام کی علمبرداری اور عالم اسلام کی سیادت دونوں ’’اُمیین‘‘ کی دو اہم شاخوں یعنی بنو اُمیہ اور بنو عباس کے پاس رہیں، اور روئے ارضی کے ایک بڑے حصے پر اُن کے دین و مذہب، ان کے تہذیب و تمدن، ان کے علوم و فنون اور اُن کی شان و شوکت کا سکہ رواں رہا۔ لیکن جیسے جیسے دُنیوی جاہ و جلال میں اضافہ ہوا، جذبات دینی اور حرارتِ ایمانی میں کمی آتی چلی گئی اور اس طرح یہ تناور درخت اندر سے کھوکھلا ہوتا چلا گیا۔ اس اندرونی اضمحلال کے اثرات کے ظاہر ہونے میں کچھ مدت ضرور صرف ہوئی، لیکن دسویں صدی عیسوی ہی کے دوران واضح ہو گیا تھا کہ عرب اپنے عالم پیری میں قدم رکھ چکے ہیں۔ گیارہویں صدی عیسوی کے دوران ’’اُمیین‘‘ کا انحطاط اور زوال اپنی آخری حدوں کو پہنچ گیا اور اس طرح عالم اسلام کے قلب میں قوت کا ایک خلا پیدا ہو گیا۔

بارہویں اور تیرہویں صدی عیسوی کے دوران میں اُمّتِ مُسلمہ پر گویا عذابِ خداوندی کے ’’وعدۂ اولیٰ‘‘ کا ظہور ہوا اور ہو بہو وہی نقشہ کھنچ گیا جس کا ذکر سورۂ بنی اسرائیل کی آیت 5 میں تاریخ بنی اسرائیل کے پہلے

دورِ عذاب کے ضمن میں آیا ہے۔ چنانچہ پہلے شمال سے صلیبی طوفان کے ریلے آنے شروع ہوئے اور 1099ء میں نہ صرف یہ کہ مسجد اقصیٰ کے ناموس کا پردہ چاک ہوا' بلکہ بیت المقدس میں وہ قتل عام ہوا جس کا تذکرہ کرتے ہوئے مغربی مؤرخین بھی کانپ جاتے ہیں۔ پورے اٹھاسی برس تک بیت المقدس پر صلیبیوں کا قبضہ رہا۔ اس لیے کہ دولت عباسی تو ''مرنے والی اُمتوں کے عالم پیری'' کا نقشہ پیش کر رہی تھی' گویا ''اُمیین'' میں تو سرے سے دم خم باقی ہی نہ رہا تھا۔ بالآخر ''آخرین'' کے تازہ و گرم خون نے مجاہد کبیر صلاح الدین ایوبی ؒ کی سرکردگی میں 1187ء میں بیت المقدس کو صلیبیوں کے قبضے سے نجات دلائی اور اس طوفان کا رُخ موڑا ---- اور پھر مشرق کی جانب سے آیا فتنۂ تاتار کا وہ طوفانِ عظیم جس نے پہلے افغانستان اور ایران کو پامال کیا اور ہر جگہ کشتوں کے پشتے لگا دیئے اور بالآخر 1258ء میں بغداد میں وہ تباہی مچائی کہ رہے نام اللہ کا۔ لاکھوں مسلمان تہ تیغ ہوئے' بغداد کی گلیاں خون کی ندیاں بن گئیں اور بعینہٖ وہ کیفیت پیدا ہوگئی جو کم وبیش دو ہزار سال قبل بخت نصر کے حملے سے بیت المقدس کی ہوئی تھی۔ نتیجتاً زوالِ ملک مستعصم امیر المؤمنین کے ساتھ ہی خلافت عباسی کا ٹمٹماتا ہوا چراغ بالکل گل ہو گیا' اور نہ صرف یہ کہ اُمتِ مُسلمہ پر عذابِ خداوندی کا یہ پہلا دَور تکمیل کو پہنچا بلکہ کم از کم ''اُمیین'' کی حد تک تو وہ وعید بھی پوری ہو گئی جو سورۂ محمد (ﷺ) آیت 38 میں وارد ہوئی تھی۔

بارہویں اور تیرہویں صدی عیسوی کے دوران عالم اسلام کا قلب بعینہٖ وہی نقشہ پیش کر رہا تھا جسے دیکھ کر کبھی حضرت عزیر علیہ السلام کی زبان سے بے اختیار یہ الفاظ نکل گئے تھے کہ: ''کیسے زندہ کرے گا اللہ اسے اس کی موت کے بعد!'' (البقرۃ:259) لیکن پھر اُمت مسلمہ کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کی وہی شان ظاہر ہوئی جس کا ظہور بنی اسرائیل کے حق میں ہوا تھا' صرف اس فرق کے ساتھ کہ چونکہ سابقہ اُمت مسلمہ ایک ہی نسل پر مشتمل تھی لہٰذا اس کی نشاۃ ثانیہ کا یہ عمل بھی لامحالہ اسی نسل کے اندر واقع ہوا' لیکن اُمتِ محمد ﷺ کے معاملے میں یہ مجبوری نہ تھی' لہٰذا یہاں تجدید ملت کا یہ کام ''آخرین'' کی مختلف اقوام سے لے لیا گیا۔ چنانچہ ؎

ہے عیاں فتنۂ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

کے مطابق نہ صرف یہ کہ خود انہی ترکانِ چنگیزی کا بڑا حصہ اسلام لے آیا جن کے ہاتھوں عالم اسلام پر ہولناک تباہی آئی تھی' بلکہ انہی کے قبیل کے وحشی قبائل میں سے دو قبیلوں کو یہ توفیق ارزانی ہوئی کہ وہ حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے اور اُن میں سے ایک یعنی ترکانِ تیموری نے ہندوستان میں ایک عظیم الشان مسلم سلطنت کی بنیاد رکھ کر عالم اسلام کے دائیں بازو کی توسیع کی' اور دوسرے یعنی ترکانِ عثمانی نے ابتداءً ایشیائے کوچک میں قدم جمائے اور پھر رفتہ رفتہ اس عظیم الشان مسلمان مملکت کی بنیاد رکھی۔

یہ ایک ناقابل تردید تاریخی حقیقت ہے کہ یورپ میں احیاء العلوم کا پورا عمل اسلام ہی کے زیر اثر شروع ہوا اور یہ مسلمان ہی تھے جنہوں نے یورپ کو مشرق و مغرب کے علوم و فنون سے روشناس کرایا۔ لیکن جیسے ہی یورپ میں بیداری ہوئی اور وہاں قوت کا دباؤ بڑھا' گویا عالم اسلام کی شامت آ گئی۔

یورپ مشرق و مغرب دونوں اطراف سے مسلمانوں کے شکنجے میں جکڑا ہوا تھا' لیکن مشرق میں عذاب کے وعدۂ اولیٰ کے بعد نشاۃ ثانیہ کا عمل ظاہر ہو چکا تھا اور عظیم سلطنت عثمانیہ عالم اسلام کے قلب کے محافظ سنتری کی حیثیت سے کھڑی تھی' البتہ مغرب میں اب دولت ہسپانیہ ''مرنے والی اُمتوں کے عالم پیری'' کا نقشہ پیش کر رہی تھی۔ لہٰذا ع

''ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات''

کے مصداق یورپی استعمار کا اوّلین شکار وہی بنی اور پندرہویں صدی عیسوی کے دوران اس عظیم سلطنت کا قلع قمع ہو گیا۔ یہاں تک کہ 1492ء میں سقوطِ غرناطہ کے بعد تو بعینہٖ وہ صورت پیدا ہوگئی جس کا نقشہ قرآن مجید میں عذابِ استیصال کا نوالہ بننے والی قوموں کے بیان میں کھینچا جاتا ہے' یعنی: ''جیسے کہ وہ کبھی وہاں آباد ہی نہ تھے۔'' (ھود:68، 95) اور: ''اب ان کے ویران مسکنوں کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا!'' (الاحقاف:25)

1498ء میں واسکوڈی گاما نے نیا بحری راستہ تلاش کیا اور اس کے فوراً بعد یورپی استعمار کا سیلاب عالم اسلام کے میمنہ پر ٹوٹ پڑا اور انڈونیشیا' ملایا اور ہندوستان مختلف یورپی اقوام کے استبدادی پنجوں میں جکڑے گئے۔ اور یہ عمل جس کا آغاز سولہویں صدی عیسوی سے ہوا' اٹھارہویں اور انیسویں صدی عیسوی میں عالم اسلام کے دائیں بازو کی حد تک اپنے عروج کو پہنچ گیا۔

عالم اسلام کے قلب پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کے اس دوسرے دَور کا آغاز بیسویں صدی کے شروع میں ہو گیا تھا۔ چنانچہ پہلی عالمگیر جنگ کے خاتمے پر جب دنیا کا نیا نقشہ سامنے آیا تو معلوم ہوا کہ عظیم دولت عثمانیہ سمٹ کر ایشیائے کوچک میں محدود ہوگئی اور شمالی افریقہ سمیت پورا عالم عرب چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں منقسم ہو کر مختلف یورپی اقوام کے براہِ راست زیر نگیں ہو گیا یا بالواسطہ محکومی میں آ گیا اور ہو بہو وہی کیفیت پیدا ہوگئی جس کی خبر مخبر صادق ﷺ نے ان الفاظ میں دی تھی کہ: ''ایک زمانہ آئے گا کہ اقوامِ عالم ایک دوسرے کو تم پر ٹوٹ پڑنے کی اس طرح دعوت دیں گی جیسے (کسی دعوتِ طعام میں) کھانے والے ایک دوسرے کو دسترخوان کی طرف بلاتے ہیں۔''

اس طرح بحیثیت مجموعی اُمت مسلمہ پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کا دَورِ ثانی گزشتہ صدی کے رُبع اوّل میں اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ گیا تھا جب کہ پورا عالم اسلام مغربی استعمار کے ناپاک شکنجے میں جکڑا گیا' اگرچہ خاص ''اُمیین'' کے حق میں ''وَعْدُ الْاٰخِرَةِ'' کی وہ مکمل صورت جو سورۂ بنی اسرائیل کی آیت 7 میں بیان ہوئی تھی' تقریباً نصف صدی بعد 1967ء میں ظاہر ہوئی جب اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی ایک مغضوب وملعون قوم کے ہاتھوں ایک شرمناک اور ذلت آمیز شکست دلوائی' اور عربوں کے عہدِ تولیت کے دوران ایک بار پھر مسجد اقصیٰ کی حرمت پامال ہوئی اور بیت المقدس ان کے ہاتھوں سے نکل کر یہود کے قبضے میں چلا گیا' اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس بار یہ قبضہ کتنا طویل ہوگا۔ اس داستان کا المناک ترین باب یہ ہے کہ مغربی استعمار نے اُمتِ مُسلمہ کی وحدتِ ملی کو پارہ پارہ کر دیا' اور نسلی اور علاقائی عصبیتوں کے وہ بیج مسلمان اقوام کے دلوں میں بو دیئے جو ابھی تک برگ و بار لا رہے ہیں۔ چنانچہ پہلے انہوں نے عربوں کو ترکوں کے خلاف ابھارا' نتیجتاً عالم اسلام کا قلب دولخت ہو گیا اور وحدتِ ملی کی علامت یعنی خلافت کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ پھر عالمِ عرب کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں اس طرح تقسیم کیا کہ نسلی اور لسانی اشتراک کے باوجود عالم عرب کے کامل اتحاد کا امکان تاحال دُور دُور تک نظر نہیں آتا۔

اسی نسلی تعصب کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کے اس عذاب کا مزہ بھی اُمتِ مسلمہ کو چکھنا پڑا جو قرآن مجید میں ان الفاظ میں بیان ہوا ہے کہ: ''تمہیں (اللہ تعالیٰ) گروہوں میں تقسیم کر دے اور پھر چکھائے ایک کو دوسرے کی جنگی قوت کا مزہ''۔ (الانعام:65)

چنانچہ اس صدی کے آغاز میں عربوں کے ہاتھوں ترکوں کا خون بہا اور پھر 1971ء میں بنگالی مسلمان کے ہاتھوں غیر بنگالی مسلمان کے خون کی ہولی اور جان و مال

اور عزت و آبرو کی دھجیاں بکھرنے کا منظر چشم فلک نے دیکھا۔ فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ o

سورۂ بنی اسرائیل کے پہلے رکوع کی آیت 8 سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے موقع پر اللہ نے آپ کی رحمۃ للعالمینی کے صدقے یہود کو بھی ایک موقع توبہ کا عنایت فرمایا تھا' یعنی: ''تمہارا ربّ اب بھی تم پر رحم فرمانے کے لیے آمادہ ہے' لیکن اگر تم نے سابقہ روش برقرار رکھی تو ہم بھی وہی کریں گے جو پہلے کرتے رہے ہیں!'' یہ گویا جدید عدالتی اصطلاح میں ایک رحم کی اپیل کا آخری موقع تھا جو یہودیوں نے اپنی سرکشی کے باعث گنوا دیا' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آخری فیصلہ صادر فرما دیا: ''اور جب اعلان کر دیا تیرے ربّ نے کہ وہ قیامت کے دن تک ان پر لازماً ایسے لوگوں کو مسلط کرتا رہے گا جو انہیں بدترین عذاب دیتے رہیں گے۔'' (الاعراف:167)

اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے کا سب سے نمایاں مظہر اس بیسویں صدی کے وسط میں سامنے آیا جب ہٹلر نے نہ صرف جرمنی بلکہ مشرقی یورپ کے تقریباً تمام ممالک کے ساٹھ لاکھ یہودیوں کو ایسے سپیشل گیس چیمبرز اور ایکسٹرمینیشن پلانٹس کے ذریعے نیست و نابود کیا جن کی نظیر غالباً پوری انسانی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ لیکن دوسری جانب یہ معجزہ بھی اسی بیسویں صدی میں ظاہر ہوا کہ جو ملعون و مغضوب قوم دو ہزار برس سے دربدر بھٹک رہی تھی اور کہیں اَمان نہیں پا رہی تھی اُسے دوبارہ اپنے خوابوں کی سرزمین یعنی فلسطین میں پاؤں جمانے کا موقع ملا۔ چنانچہ پہلی جنگ عظیم کے دوران انگریزوں نے عربوں سے جو بغاوت ترکوں کے خلاف کرائی تھی' اس کا ''انعام'' انہیں حکومت برطانیہ کی جانب سے 2 نومبر 1917ء کے ''اعلان بالفور'' کی صورت میں ملا' جس کے نتیجے میں پہلے سرزمین فلسطین میں یہودیوں کی آبادکاری ہوئی اور بالآخر 1948ء میں اسرائیل کا خنجر اُن کے سینے میں پیوست کر دیا گیا۔ گویا کہ یورپی استعمار کی صورت میں موجودہ اُمتِ مسلمہ پر اللہ کی جو سزا گزشتہ تین صدیوں سے تدریجاً بڑھ رہی تھی اس کے آخری اور شدید ترین دَور کا ''آغاز'' ہو گیا۔ یعنی اُمتِ مسلمہ کے افضل ترین حصے یعنی عربوں پر اللہ کی ایک مغضوب اور ملعون قوم کے ہاتھوں ذلت آمیز شکستوں کا سلسلہ شروع ہو گیا' جس کی پہلی قسط تو 1948ء ہی میں مل گئی تھی جب انگریزی فوج کے فلسطین سے نکلتے ہی عربوں اور یہودیوں میں جنگ شروع ہو گئی' جس کے نتیجے میں بجائے اس کے کہ یہودیوں کو کوئی نقصان پہنچتا' وہ اس رقبے سے بھی زیادہ پر قابض ہو گئے جو انہیں تقسیم کے فیصلے کے تحت ملا تھا۔

''اُمّیین'' پر اللہ کے عذاب کا دوسرا اور شدید تر کوڑا لگ بھگ بیس برس بعد 1967ء کی چھ روزہ جنگ میں نہایت ذلت آمیز ہی نہیں' حد درجہ شرمناک شکست کی صورت میں پڑا' جس کے نتیجے میں 1948ء میں قائم ہونے والے اسرائیل نے ''عظیم تر اسرائیل'' کی جانب مزید پیش قدمی کر لی اور مصر و شام اور اردن سے اضافی علاقے ہتھیا لیے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنے مذہبی مرکز یروشلم پر بھی قبضہ حاصل کر لیا۔ ''آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا!''

قصہ مختصر' بیسویں صدی عیسوی میں ایک جانب سابقہ اور معزول شدہ اُمتِ مسلمہ یعنی یہودیوں پر اللہ کے آخری عذاب استیصال کا ریہرسل یا ٹریلر بھی ''ہالوکاسٹ'' کی صورت میں سامنے آ گیا' اور دوسری طرف ان کے اس آخری عروج کی جانب بھی نمایاں پیش قدمی ہو گئی جس کا کوئی گمان بھی ایک صدی قبل نہیں ہو سکتا تھا۔

یہی معاملہ موجودہ اُمتِ مسلمہ کے ساتھ پیش آیا کہ جہاں ایک جانب اس صدی کے آغاز میں سلطنت عثمانیہ اور خلافت اسلامی کے خاتمے' اور پھر 1967ء میں عربوں کی عبرتناک ہزیمت اور مسجد اقصیٰ کی بے حرمتی اور 1971ء میں ''آخرین'' کے اہم ترین اور عظیم ترین ملک یعنی پاکستان کی شکست و ریخت اور ان ہندوؤں کے ہاتھوں شرمناک ہزیمت کی صورت میں عذابِ الٰہی کے سائے مزید گہرے ہو گئے جن پر مسلمانوں نے سینکڑوں برس حکومت کی تھی۔ رحمتِ خداوندی میں جوش آ چکا تھا اور تاریخ بالقوہ ایک کروٹ لے چکی تھی' جس کے نتیجے میں پورے عالم اسلام میں ایک احیائی عمل شروع ہو گیا۔

اس احیائی عمل کے بارے میں بعض بنیادی حقائق ذہن نشین رہنے چاہئیں۔ مثلاً یہ کہ یہ کوئی سادہ اور بسیط عمل نہیں ہے' بلکہ اس کے متعدد گوشے ہیں' جن میں سے ہر ایک میں اولوالعزم افراد اور جماعتیں برسرکار ہیں' اور جو بظاہر ایک دوسرے سے جدا اور مختلف بلکہ بعض پہلوؤں کے اعتبار سے متضاد ہونے کے باوجود اس وسیع تر احیائی عمل کے اعتبار سے ایک دوسرے کے لیے باعث تقویت ہیں۔ دوسرے یہ کہ اسلام کی نشأۃ ثانیہ اور ملت اسلامی کی تجدید کا یہ کام دس بیس برس میں مکمل ہونے والا نہیں' بلکہ سورۃ الانشقاق کی آیت 19: ''تم لازماً چڑھو گے درجہ بدرجہ'' کے مصداق تدریجاً بہت سے مراتب و مراحل سے گزر کر ہی پایۂ تکمیل کو پہنچے گا۔ لہٰذا اس ارتقائی عمل کا ہر درجہ اپنی جگہ اہمیت کا حامل ہے' اور چاہے بعد کے مراحل میں پہلوں کا کام بہت حقیر بلکہ کسی قدر غلط بھی نظر آئے' اپنے اپنے دَور کے اعتبار سے اس کی اہمیت و وقعت سے بالکلیہ انکار ممکن نہیں۔ تیسرے یہ کہ اس ہمہ گیر تجدیدی جدوجہد میں اگرچہ افراد کی اہمیت اپنی جگہ مسلّم ہے' بقول علامہ اقبال: ؎

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا

تاہم جماعتوں اور تنظیموں کے مقابلے میں کم تر ہے۔ پھر جماعتیں بھی تحریکوں کی وسعت میں گم ہو جاتی ہیں اور بالآخر تمام تحریکیں بھی اس وسیع احیائی عمل کی پنہائیوں میں گم ہو جاتی ہیں جو ان سب کو محیط ہے۔

خالص اصولی و نظریاتی اور تصوریت پسندانہ نقطہ نظر سے تو ''مسلمان اقوام'' کی اصطلاح ہی قطعاً غلط ہے' اس لیے کہ از روئے قرآن و حدیث مسلمانوں کی حیثیت ایک جماعت یا اُمت یا حزب کی ہے نہ کہ قوم کی' لیکن واقعیت پسندانہ نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں نے ایک جماعت یا اُمت یا حزب کا کردار تو بہت پہلے ترک کر دیا تھا اور بالفعل ایک قوم ہی کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ البتہ وحدتِ ملی کا تصور گزشتہ صدی کے آغاز تک برقرار تھا' لیکن اس صدی کے رُبع اوّل کے دوران مغربی استعمار کے ہتھکنڈوں نے اسے بھی ختم کر کے رکھ دیا تھا' اور اس وقت فی الواقع روئے ارضی پر کوئی ایک آباد نہیں ہے' بلکہ بہت سی مسلمان اقوام آباد ہیں۔ اُمتِ مسلمہ

اس ضمن میں ایک اور حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ اگرچہ مختلف مسلمان ممالک میں حصولِ آزادی کی تحریکوں کی تقویت کے لیے جن علاقائی یا نسلی عصبیتوں کو استعمال کیا گیا انہیں بھی خاص اصولی اور نظری اعتبار سے اسلام کے نظامِ فکر کے ساتھ سوائے تضاد کے کوئی نسبت حاصل نہیں ہے' لیکن عالمِ واقعہ میں اس کے سوا کوئی چارۂ کار موجود نہ تھا' اس لیے کہ اسلام کے ساتھ مسلمانوں کا ذہنی و قلبی رشتہ اتنا قوی نہ رہا تھا کہ اسے کسی جاندار اور فعال تحریک کی اساس بنایا جا سکتا۔ اور حصولِ استقلال کے لیے جس مؤثر مزاحمت کی ضرورت ہوتی ہے اس کی بنیاد خیالی یا جذباتی نہیں بلکہ حقیقی اور واقعی اساسات ہی پر رکھی جا سکتی ہے۔ چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ اگر ترک نیشنلزم کا جذبہ فوری طور پر بیدار نہ ہو گیا ہوتا تو شاید آج ترکی کا نام و نشان بھی صفحۂ ارضی پر موجود نہ ہوتا۔ اسی طرح اسلام سے

جتنا کچھ حقیقی اور واقعی تعلق اِس وقت مسلمانانِ عرب کو ہے وہ کسے معلوم نہیں! اندریں حالات عرب نیشنلزم ہی یورپی سامراج کے چنگل سے نکلنے کی جدوجہد کے لیے واحد ممکن بنیاد بن سکتا تھا‘ اور ایک وقتی ضرورت اور دفاعی تدبیر کی حد تک اس کے استعمال میں کوئی قباحت بھی نہیں ہے‘ بشرطیکہ اسے نظامِ فکر کی مستقل اساس کے طور پر قبول نہ کرلیا جائے اور حصولِ آزادی کے عبوری مقصد کی تکمیل کے بعد صحیح اسلامی فکر اور وحدتِ ملی کے شعور واحساس کو اجاگر کیا جائے۔

الغرض‘ بیسویں صدی عیسوی میں ایک جانب تو سابقہ اور معزول شدہ اُمّتِ مُسلمہ یعنی یہود اور موجودہ اُمّتِ مُسلمہ یعنی مسلمانوں پر عذابِ الٰہی کے کوڑے بھی برستے رہے‘ لیکن دوسری جانب یہود کی بھی دو ہزار سالہ باسی کڑھی میں اُبال آیا اور وہ صہیونی تحریک کی زیر قیادت ’’ارضِ موعود‘‘ میں قدم جما کر عظیم تر اسرائیل کے قیام اور ہیکل سلیمانی کی تعمیرِ نو کی جانب پیش قدمی کے لیے پر تول رہے ہیں‘ اور خود مسلمان بھی مغربی استعمار کی کم از کم براہِ راست غلامی سے نجات پا کر (اس لیے کہ ابھی ریموٹ کنٹرول غلامی بتمام وکمال موجود ہے) اپنے دین کے احیاء اور اسلامی نظامِ حیات کے بہمہ وجوہ قیام ہی نہیں‘ عالمی غلبۂ دین کے خواب دیکھ رہے ہیں۔

(اقتباس: مسلمان امتوں کا ماضی حال اور مستقبل)

دین کے صحیح تقاضوں کو واضح کرنے کے ضمن میں
ڈاکٹر صاحبؒ کی ایک تحریر اور ایک تقریر پر مشتمل

راہِ نجات

سُورۃُ العَصر کی روشنی میں

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ

اشاعت خاص 150 روپے
اشاعت عام 100 روپے

مکتبہ خدام القرآن لاہور
36 کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور، 0301-1115348

رفقاء متوجہ ہوں

ان شاءاللہ ’’مسجد بیت المکرّم میانوالی (حلقہ سرگودھا)‘‘میں

28 تا 30 اگست 2026ء (بروز جمعۃ المبارک بعد نمازِ عصر تا بروز اتوار نمازِ ظہر)

ذمہ داران ریفریشر کورس کا انعقاد ہو رہا ہے۔

نوٹ: درج ذیل موضوع پر باہمی مذاکرہ ہوگا۔ ذِمہ داران سے گزارش ہے کہ مطالعہ کر کے تشریف لائیں۔

☆ **منہج انقلاب نبوی ﷺ، تصادم کا مرحلہ اوّل، صبر محض، عدم تشدد اور اعادہ سابقہ مذاکرہ**

زیادہ سے زیادہ ذِمہ داران پروگرام میں شریک ہوں۔

موسم کی مناسبت سے بستر ہمراہ لائیں

برائے رابطہ: 0300-9603045-0300-9603577

ان شاءاللہ ’’قرآن مرکز کینال ویو گارڈن ہوتہ روڈ، عارف والا (حلقہ ساہیوال ڈویژن)‘‘میں

08 تا 14 اگست 2026ء (بروز ہفتہ بعد نمازِ عصر تا بروز جمعۃ المبارک 12 بجے)

مبتدی تربیتی کورس کا انعقاد ہو رہا ہے۔

زیادہ سے زیادہ رفقاء متعلقہ کورس میں شریک ہوں۔

اور

14 تا 16 اگست 2026ء (بروز جمعۃ المبارک بعد نمازِ عصر تا بروز اتوار نمازِ ظہر)

ذمہ داران ریفریشر کورس کا انعقاد ہو رہا ہے۔

نوٹ: درج ذیل موضوع پر باہمی مذاکرہ ہوگا۔ ذِمہ داران سے گزارش ہے کہ مطالعہ کر کے تشریف لائیں۔

☆ **منہج انقلاب نبوی ﷺ، تصادم کا مرحلہ اوّل، صبر محض، عدم تشدد اور اعادہ سابقہ مذاکرہ**

زیادہ سے زیادہ ذِمہ داران پروگرام میں شریک ہوں۔

موسم کی مناسبت سے بستر ہمراہ لائیں

برائے رابطہ: 03337136123 /0300-0971784 /03000971784

المعلن: مرکزی شعبہ تعلیم وتربیت: 78-35473375(042)

امیر تنظیم اسلامی کی چیدہ چیدہ مصروفیات

(9 تا 15 جولائی 2026ء)

جمعرات 09 جولائی: مرکزی اسرہ کے اجلاس کی آن لائن صدارت کی۔ دوپہر میں معروف یوٹیوبر اسد اعجاز صاحب کے ساتھ ان کے اسٹوڈیو، گلشن اقبال (کراچی) میں podcast ریکارڈ کرائی۔

جمعۃ المبارک 10 جولائی: خطابِ جمعہ (اردو تقریر) مسجد جامع القرآن، قرآن اکیڈمی، ڈیفنس کراچی میں ارشاد فرمایا۔ بعد نمازِ جمعہ ناظم مالیات محترم فیصل منصوری سے ملاقات کی۔ بعد نمازِ عصر قرآن اکیڈمی، ڈیفنس کراچی میں منعقد ہونے والے ’’مدرسین ریفریشر کورس‘‘ میں بانی محترمؒ کے ایک خطاب کی شرکاء کے ہمراہ سماعت کی۔ بعد نمازِ مغرب ’’مذہبی جماعتوں کے باہمی تعاون کے ضمن میں تنظیم اسلامی کی مساعی‘‘ کے موضوع پر کچھ مطالعہ کرایا، شرکاء سے گفتگو کی اور ان کے سوالات کے جوابات دیے۔

اتوار 12 جولائی: دن میں امیر حلقہ کراچی وسطی جناب خالد محمود صاحب کی عیادت کے لیے ان کے گھر جانا ہوا۔

منگل 14 جولائی: مرکز کے انتظامی امور کے حوالہ سے ایک اجلاس کی آن لائن صدارت کی۔

بدھ 15 جولائی: رات لاہور آمد ہوئی۔

معمول کی مصروفیات: نائب امیر صاحب سے مستقل رابطہ رہا نیز تنظیمی امور انجام دیے۔ متفقہ قرآنی نصاب کے حوالہ سے مختلف ذِمہ داریاں ادا کیں۔ معمول کی ریکارڈنگز کرائیں۔ چند احباب سے تعزیت وعیادت کے حوالہ سے رابطہ اور ملاقات رہی۔

وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستانِ وجود

عامرہ احسان
amira.pk@gmail.com

دنیا کی کہانی شروع تو'میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں' کے فرمانِ الٰہی سے ہوئی تھی۔ پھر وہ خلافت کی امانت ہزار ہا نشیب و فراز سے گزرتی آج کی دنیا تک پہنچی تو صرف بُرج خلیفہ باقی تھا۔ وہ بھی اب خلیجی جنگ میں ویران پڑا ہے! شاندار خلافتِ ارضی کے نمونہ ہائے عمل مٹ چکے۔ اب کون یاد دلائے کہ: محمد عربی سے ہے عالمِ عربی! آج دنیا استعماری شکنجے میں ظلم و جبر میں سسک رہی ہے۔

11 جولائی کو جب بوسنیا کے مشرقی حصے میں واقع قصبے سربیرنیتسا میں مسلمان نسل کشی کے ہولناک واقعے کی 31 ویں برسی منائی گئی تو کیا آج یہ دنیا امن و امان کا گہوارہ ہے؟ 1995ء میں جنگِ عظیم دوئم کے بعد جب یہ ہولناک قتل عام ہوا تو بل کلنٹن امریکی صدر، جان میجر برطانوی وزیر اعظم اور فرانسو متراں، فرانسیسی صدر تھے۔ بڑی طاقتیں بڑے نام، وہی انٹرنیشنل کورٹ برائے انصاف مگر 8 ہزار مسلم مردوں، لڑکوں کا قتل عام کیا گیا۔ 25، 30 ہزار عورتوں، بچیوں کی بے حرمتیاں اور قتل ہوئے۔ اجتماعی قبریں بھر دی گئیں۔ مسلمان حکمران بھی آج ہی کی طرح تماش بین اور فاتحہ خواں تھے! تاہم یہ ضرور ہوا کہ سرب فوجی (کیونکہ اسرائیلی نہ تھے)، عمر قید کی سزائیں ہیگ ٹریبونل سے پا کر کچھ مجرم جیلوں میں مر گئے اور کچھ زندہ ہیں۔ فرق دیکھ لیجیے غزہ پر قیامت کی طوالت، (1948ء تا 2026ء) لامنتہا انسانیت کے خلاف جرائم، اب (تقریباً) 3 سالہ نسل کشی، فاقے اور ہمہ نوع مظالم، مگر اسرائیل کا بال بیکا نہ ہوا۔ پوری دنیا چلا اٹھی، مگر انصاف کے سبھی ادارے مکمل بے بسی کی تصویر بن رہے۔ امریکہ، یورپ خود اسرائیل کو ہتھیاروں کی فراہمی میں جتے رہے۔ مسلمان حکمران بے حسی سے منہ موڑے رہے۔ دنیا کو صرف اب دن منانے کی اجازت ہے دلسوز تقاریر کرنے کو۔ جس کے بعد مزید نت نئی جنگیں چھیڑنے، کانفرنسیں کرنے میں جت جائیں۔ نوجوانوں کو ہمہ نوع کھیلوں، ورلڈ کپ، اولمپکس میں لگائے رکھنے کو، بڑی آبادیاں دنیا کی مصروف ہو جاتی ہیں۔ معاشی تحرک سے پیسہ بنتا، جوئے کا کاروبار چلتا ہے۔

بوسنیا کے قتلِ عام کا المیہ یہ تھا کہ 'یو این محفوظ کیمپوں' میں پناہ لیے مسلمانوں کا خون حلال کر لیا! سو دنیا آج بھی وہی ہے:

وہی حالات ہیں فقیروں کے
دن پھرے ہیں فقط وزیروں کے
اپنا حلقہ ہے حلقۂ زنجیر
اور حلقے ہیں سب امیروں کے
بیڑیاں سامراج کی ہیں وہی
وہی دن رات ہیں اسیروں کے!

حبیب جالب کی شاعری میں فقیروں کی جگہ مسلمان سمجھ لیجیے تو عالمی سیاست کا موجودہ نقشہ سامنے موجود ہے! مسلمان یوں بھی اب صرف شناختی کارڈ میں لکھے جانے والا نام نہاد 'مسلم' رہ گیا ہے۔ ورنہ عملاً مسلمان بن کر جینے، رہنے کی تمنا جو بھی کچھ ہے، غزہ، شام، مصری، اخوان، ہو یا حماس 'دہشت گرد' کہلاتی ہے۔ دنیا بھر میں نسل کشی کے مجرم، قومیں اجاڑنے والے، بابا ہائے امن ہی رہتے ہیں، نتین یاہو اور ٹرمپ کی طرح۔

اس موقع پر یو این سیکرٹری جنرل نے پیغام جاری کیا کہ بین الاقوامی قانون کے تحت ریاستوں پر نسل کشی روکنے کی ذمہ داری ہے۔ مگر جب یہ ریاستیں، پورا امریکہ اور یورپ ہی غزہ میں شراکت کار ہو تو اسے کون روکے؟ نفرت انگیزی، غیر انسانی سلوک، تحقیر، کسی قوم یا نسل کو تعصب کا نشانہ بنانا ہی وہ فضا فراہم کرتا ہے جس میں نسل کشی پنپتی ہے۔ خواہ بوسنیا، فلسطین ہو یا مقبوضہ کشمیر۔

غزہ میں انسانی بحران ہر پہلو سے بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ بھوک، طبی سہولتوں کا فقدان تو تھا ہی۔ اسرائیل کے حملے رکنے کا نام نہیں لے رہے۔ غزہ کے بچوں میں جلدی وائرس کے، دو ہفتوں میں 9300 کیس ہوئے ہیں۔ بند خیموں میں، پر ہجوم آبادی، صاف پانی ناپید، صفائی ستھرائی قائم رکھنا ناممکن۔ جلد پر پھوڑے، دھپڑ، شدید کھجلی، جلد سرخ۔ کوئی علاج، سہولت میسر نہیں۔ مغربی کنارے پر امریکی کانگریس کے رکن، روکھنا کو ساتھیوں سمیت 90 منٹ تک گرفتار/محصور رکھا، امریکی ایم 4 رائفلیں چمکاتے ہوئے۔ سلی کون ویلی سے یہ رکن کانگریس ایک فلسطینی بدوی گاؤں دیکھنے وہاں گئے تھے جس پر آباد کار حملوں کی بنا پر بے دخلی ہوئی۔ پھر اسرائیلیوں نے اسے تباہ کر دیا۔ نیویارک ٹائمز نے اس کی تفصیلی رپورٹ دی ہے۔ کس طرح آباد کاروں نے انہیں عربی، عبرانی میں گالیاں دیں۔ ان کی گاڑی کے ٹائروں کو ٹھڈے مارے۔ اسرائیلی فوجی گاڑی بھی آئی تو آباد کاروں سے گپ بازی کرتی رہی۔ گاڑی سے سڑک پر ان کا راستہ روکے رکھا۔ روکھنا نے اس پر لکھا کہ ہر کانگریس مین کو اس کی مذمت کرنی چاہیے۔ امریکی مسلمانوں کی تنظیم CAIR نے اس پر متوجہ کیا ہے کہ امریکی ٹیکس ڈالر اسرائیل کی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں پر نہ جھونکے جائیں۔ واضح رہے کہ امریکی عوام کی اکثریت اسرائیلی حمایت کی پالیسی کے خلاف ہیں۔ ری پبلکن نوجوان اور ڈیموکریٹ ووٹرز بھی۔

غزہ اور بوسنیا پر نسل کشی کی بات ہو رہی ہے۔ ڈاکٹر غلام محمد فائی، واشنگٹن میں مقبوضہ کشمیر پر توانا آواز (سیکرٹری جنرل، ورلڈ کشمیر پر جانکاری فورم) سربیرنیتسا پر عالمی دن کے حوالے سے متوجہ کرتے ہیں کہ نسل کشی کو بروقت روک لینا بعد میں ماتم کرنے سے بہتر ہے۔ ایسا ایک دن میں نہیں ہوتا۔ کیا یہی سب جو بوسنیا میں ہوا مقبوضہ کشمیر میں جاری نہیں ہے؟ بوسنیا میں اس قیامت سے بچ رہنے والے نے کہا تھا کہ: 'میں دنیا سے یہ نہیں کہہ رہا کہ تم میرا درد اٹھاؤ۔ میں تو تم سے اس کی ذمہ داری اٹھانے کو کہہ رہا ہوں۔' کہیں بھی (غزہ، بوسنیا، روانڈا، کشمیر) یہ ایک رات میں نہ ہوا۔ کشمیر میں 2019ء سے 2026ء تک 10 ہزار عورتیں بچیاں لاپتہ کی گئی ہیں۔ (بھارتی وزیر کا لوک سبھا میں بیان) کشمیر اور آسام، چیرمین Genocide Watch نے 2022ء میں بھارت بارے خبردار کیا تھا کہ تنبیہی حالات پیدا ہو رہے ہیں۔ توجہ دینی، اقدام لازم ہیں۔

اب مظفر آباد میں آل پارٹیز حریت کانفرنس (APHC) کے کنونیز غلام محمد صفی نے پریس کانفرنس میں یومِ شہدائے کشمیر 13 جولائی کو منانے کا اعلان کیا۔

عوام سے بھر پور شرکت کی اپیل کی۔ ان کے ساتھ پریس کانفرنس میں میئر مظفر آباد سکندر گیلانی، جموں کشمیر لبریشن سیل کے ڈاکٹر راجہ سجاد لطیف اور دیگر کئی رہنما موجود تھے۔

یہ یومِ شہداء، تحریکِ آزادیٔ کشمیر، 13 جولائی 1931ء میں 22 کشمیریوں کی شہادت پر شروع ہونے والی سرخ لکیر ہے۔ جب سری نگر سینٹرل جیل کے باہر ایک کشمیری اذان دینے کھڑا ہوا اور ڈوگرہ فوج نے گولی مار دی۔ اس کی شہادت پر اگلے نے شروع کر دی اور یوں اذان مکمل ہونے تک کے عمل میں 22 کشمیریوں نے اپنے خون کا نذرانہ دیا۔ یہ تاریخی دن بھارتی غلامی کے خلاف گواہی تھی۔

APHC نے مظفر آباد، اسلام آباد حکومتوں اور جوائنٹ عوامی ایکشن کمیٹی کو متوجہ کیا کہ صرف مذاکرات کے ذریعے مسئلہ حل کریں۔ اس کی طوالت سے انسانی جانوں کا زیاں ہوگا۔ اس سے بڑھ کر خطرہ یہ ہے کہ آج تک جو بین الاقوامی فوکس بھارتی مقبوضہ کشمیر پر رہا وہ آزاد کشمیر پہ آ جائے گا۔ بھارت اس کا فائدہ اٹھائے گا۔ یہ ہماری تحریکِ آزادی کے لیے زہر قاتل ہے۔ ایران، امریکہ دونوں نے پاکستان پر اعتماد کر کے مصالحت کو کہا تھا تو یہاں ایسا کیوں نہیں؟ یہ مانتے ہوئے کہ عوامی ایکشن کمیٹی کے کئی مطالبات سے ہم اتفاق کرتے ہیں ہمارے نزدیک آئینی اور قانونی معاملات سڑکوں پر احتجاجی مظاہروں سے نہیں، باہم مذاکرات سے حل ہوں گے۔ (ڈان، 12 جولائی)

مظفر آباد میں آزاد کشمیر کے عوام کا اکٹھ اس امر کی گواہی تھا کہ قطع نظر اندرونی سیاسی اختلافات کے، عوام کنٹرول لائن کے دونوں جانب بھارت کے غیر قانونی قبضے سے آزادی حاصل کرنے میں متحد و متفق ہیں۔ سوچیے! ہم سیرت و کردار سے وہ خوشبو کیونکر کھو بیٹھے کہ کشمیری نوجوان ایک ظہر کی اذان دینے پر ڈوگرہ راج کے آگے 22 جانیں پیش کر دیں۔ آج ہم ہندوتوا کے خلاف یک زبان، یک جان لڑنے کی بجائے (حکومت ہو، یا عوام) حقیر مفاداتی جھگڑوں میں مظلوم و مقہور وادی کے کشمیری بھلا رہے ہیں۔ اسی روشنی میں یکجائی، اخوت، رفاقت کے بندھن میں بندھیں گے تو سبھی مسائل حل ہوں گے۔ ان شاء اللہ! بڑے مطالبات پر یکسو ہو جایئے، مقبوضہ کشمیر کی جدوجہد آزادی کی کامیابی پر سبھی ادنیٰ مسائل از خود حل ہو جائیں گے۔

وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستانِ وجود
ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذان سے پیدا

مسلم دنیا اس وقت ایک ایسی مرکزی قیادت سے محروم ہے جو بیک وقت لیبیا، سوڈان، یمن، مالی، خلیجی ممالک، غزہ پر جاری اسرائیلی چیرہ دستی اور شام پر بڑھتے قدم روک سکے۔ ایران، امریکہ کی باہم مسلسل دھمکی آمیز سیاست اور لاانتہا جنگ بازی پر مداخلت کر سکے۔ دنیا میں مظلوم، بے بس مسلم اقلیتوں اور مہاجرین (جن کی تعداد دنیا میں سب سے زیادہ ہے) کی مؤثر مدد کر سکے۔ مسلم ممالک کماحقہٗ مشترکہ جاندار موافق لینے، اتحاد و اتفاق، مسلم اخوت کے مظاہرے سے عاری ہیں۔ مسلم فوجیں اس دھماکہ خیز صورتِ حال میں مؤثر کردار ادا کرنے سے قاصر دکھائی دیتی ہیں۔ علماء کی رہنمائی بھی افسوسناک حد تک ناپید ہے۔ جو مسائل اُمّت کو درپیش ہیں، وہ مشترکہ کوشش ہی سے حل کیے جا سکتے ہیں۔ سیکولر بنیاد پر کوئی بھی حل ہمیں دشمن کے لیے لقمۂ تر بنا دے گا۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا میں امامت کا

اقبالؒ نے تو یہی راہ دکھائی تھی۔ مگر شاید غزہ پر خوفناک خاموشی کے بعد مکافاتِ عمل کی باری اب اُمّت کے دوسرے حصّوں کی ہے۔ وہ بدترین حالات دیکھ چکے۔ ہمیں گھپ اندھیرے سے نکلنے کو راستہ انہیں بنیادوں پر تلاش کرنا ہے، جو اقبالؒ کے پیغام میں مضمر ہے۔ حماس نے غزہ کی طرف متوجہ کرنے کو انتہائی اقدام بھی کر دکھایا! مگر امریکہ، ایران ہرمز پر دانت گاڑے پنجہ آزما ہیں اور غزہ اُن کے ایجنڈے پر نہیں۔ امیر قطر حمد بن خلیفہ آل ثانی غزہ کے محسن رہے۔ اُن کے رخصت ہو جانے پر غزہ شدید ملول ہے۔ وہ ایک توانا آواز تھی جو چل بسی۔ اندھیرا گہرا ہوتا ہے تو صبح کی نوید ہوتی ہے! امید پر دنیا قائم ہے...... سو ہم منتظر ہیں اللہ کے سچے وعدوں کے۔ اور ہمیں تو اپنے حصّے کا کام مزید تندہی سے کیے چلے جانا ہے...... قیامِ خلافت تک!

اسلام اور اُمّتِ مسلمہ کا مستقبل کیا ہوگا؟ کیا کرۂ ارضی ایک بار پھر نغمۂ توحید سے معمور ہو سکے گا؟
کیا موجودہ حالات اور مستقبل کے حوالے سے ہم پر کوئی ذِمہ داری بھی عائد ہوتی ہے؟
ان سوالات کے مفصل جواب پر مشتمل محترم ڈاکٹر صاحبؒ کے فکر انگیز مضامین کا مجموعہ

سابقہ اور موجودہ
مُسلمان اُمّتوں کا ماضی، حال اور مستقبل
اور مسلمانانِ پاکستان کی خصوصی ذِمہ داری

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

اشاعت خاص 450 روپے، اشاعت عام 300 روپے

مکتبہ خُدّامُ القرآن لاھور
قرآن اکیڈمی، 36 کے، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 03-35869501(042)
maktaba@tanzeem.org 0301-1115348

نصرتِ الٰہی سے محرومی کے اسباب!

مولانا سعید احمد جلال پوری

گزشتہ دنوں ایک مختصر مگر چبھتا ہوا سوال موصول ہوا کہ: ’’آج کل پوری دنیا میں مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہے اور یہ ظلم کرنے والے غیر مسلم ہیں تو مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کی مدد کیوں نہیں آتی؟‘‘

بلاشبہ یہ سوال آج کل تقریباً ہر دین دار مسلمان کی زبان پر ہے اور اُس کے دل و دماغ کو پریشان کیے ہوئے ہے اور اُسے سمجھ نہیں آتا کہ اگر مسلمان حق پر ہیں اور یقیناً حق پر ہیں، تو ان کی مدد کیوں نہیں کی جاتی اور ان کے اعداء و مخالفین یہود و نصاریٰ اور کفار و مشرکین، جو یقیناً باطل پر ہیں، کے خلاف اللہ تعالیٰ کا جوشِ انتقام حرکت میں کیوں نہیں آتا؟ اور ان کو تہس نہس کیوں نہیں کر دیا جاتا؟ یا کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ کو مسلمانوں پر فوقیت و برتری کیونکر حاصل ہے؟ اور ان کو اس قدر ڈھیل کیوں دی جارہی ہے؟ اس کے برعکس مسلمانوں کو روز بروز ذلت و ادبار کا سامنا کیونکر ہے؟ اس سوال کے جواب میں راقم الحروف نے جو کچھ لکھا، ملاحظہ ہو:

برادرِ عزیز! آپ کا سوال معقول اور بجا ہے، کیونکہ اس وقت دنیا بھر میں مسلمانوں پر جس قدر مظالم کے پہاڑ توڑے جارہے ہیں اور مسلمان جس قدر ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں، شاید ہی کسی دوسری قوم پر کبھی ایسا وقت آیا ہو؟ اس سب کے باوجود مسلمانوں کے حق میں اللہ کی مدد کا نہ آنا، واقعی قابلِ تشویش ہے، اور آپ کی طرح ہر مسلمان اس تشویش میں مبتلا ہے۔

لہٰذا آپ کے سوال کے جواب کے سلسلہ میں چند باتیں عرض کرنا چاہوں گا، اگر آپ نے ان کو ذہن نشین کرلیا تو امید ہے کہ ان شاء اللہ آپ کو مسلمانوں کے حق میں اللہ کی مدد نہ آنے کے اسباب و وجوہ سمجھ آجائیں گے۔

دراصل یہاں دو امور ہیں، ایک یہ کہ تمام مسلمان عموماً اللہ تعالیٰ کی مدد سے کیوں محروم ہیں؟ دوسرے یہ کہ خاص طور پر وہ نیک صالح مسلمان، جو واقعی اللہ تعالیٰ کے دین کے محافظ ہیں، ان پر مصائب و بلایا کے پہاڑ کیوں توڑے جارہے ہیں؟ ان کے حق میں اللہ کی مدد آنے میں تاخیر کیوں ہورہی ہے؟ اور ان کے دشمنوں کو اس قدر ڈھیل کیوں دی جارہی ہے؟

اول: سب سے پہلے یہ کہ تمام مسلمان اللہ کی مدد سے کیوں محروم ہیں؟ اس سلسلہ میں عرض ہے:

1:- اس وقت مسلمان من حیث القوم مجموعی اعتبار سے تقریباً بدعملی کا شکار ہوچکے ہیں۔

2:- اس وقت مسلمانوں میں ذوقِ عبادت اور شوقِ شہادت کا فقدان ہے، بلکہ مسلمان بھی کفار و مشرکین کی طرح موت سے ڈرنے لگے ہیں۔

3:- اس وقت تقریباً مسلمانوں کو دین، مذہب، ایمان، عقیدہ سے زیادہ اپنی، اپنی اولاد اور اپنے خاندان کی دنیاوی راحت و آرام کی فکر ہے۔

4:- آج کل مسلمان موت، مابعد الموت، قبر، حشر، آخرت، جہنم اور جنت کی فکر و احساس سے بے نیاز ہوچکے ہیں اور انہوں نے کافر اقوام کی طرح اپنی کامیابی و ناکامی کا مدار دنیا اور دنیاوی اسباب و ذرائع کو بنالیا ہے، اس لیے تقریباً سب ہی اس کے حصول و تحصیل کے لیے دیوانہ وار دوڑ رہے ہیں۔

5:- اس وقت مسلمانوں کا اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد، بھروسا اور توکل نہیں رہا، اس لیے وہ دنیا اور دنیاوی اسباب و وسائل کو سب کچھ باور کرنے لگے ہیں۔

6:- جب سے مسلمانوں کا اللہ کی ذات سے رشتہ عبدیت کمزور ہوا ہے، انہوں نے عبادات و اعمال کے علاوہ قریب قریب سب ہی کچھ چھوڑ دیا ہے، حتیٰ کہ بارگاہِ الٰہی میں رونا، بلبلانا اور دعائیں مانگنا بھی چھوڑ دیا ہے۔

7:- جس طرح کفر و شرک کے معاشرہ اور بے خدا قوموں میں بدکرداری، بدکاری، چوری، ڈکیتی، شراب نوشی، حرام کاری، حرام خوری، جبر، تشدد، ظلم اور ستم کا دور دورہ ہے، ٹھیک اسی طرح نام نہاد مسلمان بھی ان برائیوں کی دلدل میں سرتاپا غرق ہیں۔

8:- معدودے چند، اللہ کے جو بندے، اس غلاظت کدہ میں نور کی کرن اور امید کی روشنی ثابت ہوسکتے تھے، اُن پر اللہ کی زمین تنگ کردی گئی، چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ جو مسلمان قرآن و سنت، دین و مذہب کی پاسداری اور اسوۂ نبوت کی راہ نمائی میں زندگی گزارنا چاہتے تھے، انہیں تشدد پسند، دہشت گرد، رجعت پسند اور ملک و ملت کے دشمن وغیرہ کہہ کر ٹھکانے لگا دیا گیا۔

9:- نام نہاد مسلمانوں نے کافر اقوام کے پروپیگنڈا سے متاثر ہوکر اور اُن کی ترجمانی کا فریضہ انجام دے کر دین و مذہب سے وابستگی رکھنے والے مخلصین کے خلاف ایسا طوفان بدتمیزی برپا کیا اور اُن کو اس قدر مطعون و بدنام کیا کہ کوئی سیدھا سادا مسلمان، اسلام اور اسلامی شعائر کو اپناتے ہوئے بھی گھبراتا ہے۔

10:- اسلام دشمن میڈیا (بشمول سوشل میڈیا)، اخبارات، رسائل و جرائد میں اسلام اور مسلمانوں کو اس قدر خطرناک، نقصان دہ، ملک و ملت دشمن اور امن مخالف باور کرایا گیا کہ اب خود مسلمان معاشرہ ان کو اپنانے اور گلے لگانے پر آمادہ نہیں۔

11:- مادیت پسندی نے نام نہاد مسلمان کو اس قدر متاثر کیا ہے کہ اب اس کو حلال و حرام کی تمیز تک نہیں رہی، چنانچہ اب کوئی مسلمان حلال و حرام کی تمیز کرتا ہو، اس لیے مسلم معاشرہ میں بھی، سود، جوا، رشوت، لاٹری، انعامی اسکیموں کا دور دورہ ہے۔

12:- جو لوگ سود خوری کے مرتکب ہوں، اللہ تعالیٰ کا ان کے خلاف اعلانِ جنگ ہے۔ ظاہر ہے جو مسلمان سود خور ہیں، وہ اللہ تعالیٰ سے حالتِ جنگ میں ہیں، اور جن لوگوں سے اعلانِ جنگ ہو، کیا ان کی مدد کی جائے گی؟

13:- جو معاشرہ عموماً چوری ڈکیتی، مار دھاڑ، اغوا برائے تاوان، جوئے، لاٹری، انعامی اسکیموں اور رشوت پر پل رہا ہو، اور جہاں ظلم و تشدد عروج پر ہو، جہاں کسی غریب کی عزت و ناموس اور مال و دولت محفوظ نہ ہو، وہاں اللہ کی رحمت نازل ہوگی یا اللہ کا غضب؟ پھر یہ بھی اپنی جگہ حقیقت ہے کہ کفر کے ساتھ حکومت چل سکتی ہے، مگر ظلم کے ساتھ نہیں چل سکتی، اس لیے کہ اللہ کی مدد مظلوم کے ساتھ ہوتی ہے۔ چاہے وہ کافر ہی کیوں نہ ہو اور ظالم چاہے مسلمان ہی کیوں نہ ہو، اللہ کی مدد سے محروم ہوتا ہے۔

14:- جس قوم اور معاشرہ کی غذا، لباس، گوشت، پوست حرام مال کی پیداوار ہوں، اُن کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ سے نقل فرماتے ہیں: ’’اللہ تعالیٰ پاک، پاکیزہ ہیں اور پاک، پاکیزہ ہی قبول فرماتے ہیں، اور بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو بھی وہی حکم دیا ہے جو رسولوں کو حکم دیا تھا، پس اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ’’اے رسولوں کی جماعت! پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ اور اعمال صالح کرو‘‘ اسی طرح مومنوں سے فرمایا: ’’اے ایمان والو! ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں دی ہیں۔‘‘ پھر آپ ﷺ نے ایک آدمی کا ذکر فرمایا جو طویل سفر کی وجہ سے غبار آلود اور پراگندہ بال ہے اور دونوں ہاتھ آسمان کی طرف پھیلا کر کہتا ہے: ’’اے رب! اے رب! حالانکہ اس کا کھانا

حرام کا، پینا حرام کا، لباس حرام کا اور اس کی غذا حرام کی ہے، تو اس کی دعا کیونکر قبول ہوگی؟" (رواہ مسلم)

15:- بایں ہمہ وہ مقبولانِ الٰہی، جو مخلوق خدا کی اس مجبوری اور مقہوری پر کڑھتے ہیں، روتے ہیں، بلبلاتے ہیں اور مسلمانوں کے لیے بارگاہِ الٰہی میں دعائیں کرنا چاہتے ہیں، ان کو بارگاہِ الٰہی سے یہ کہہ کر روک دیا جاتا ہے کہ اپنی ذات کے لیے اور اپنی ضرورت کے لیے دعا کرو، میں قبول کروں گا لیکن عام لوگوں کے حق میں تمہاری دعا قبول نہیں کروں گا۔ چنانچہ ارشادِ نبوی ہے:

حضرت انس ؓ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "لوگوں پر ایک ایسا دور آئے گا کہ مومن، مسلمانوں کی جماعت کے لیے دعا کرے گا، مگر قبول نہیں کی جائے گی، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، تو اپنی ذات کے لیے اور اپنی پیش آمدہ ضروریات کے لیے دعا کر، میں قبول کروں گا، لیکن عام لوگوں کے حق میں قبول نہیں کروں گا، اس لیے کہ اُنہوں نے مجھے ناراض کرلیا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ میں اُن سے ناراض ہوں۔" (کتاب الرقائق)

16:- پھر یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ آسمان سے اچھے یا بُرے فیصلے اکثریت کے عمل اور بدعملی کے تناظر میں نازل ہوتے ہیں، اس لیے بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مسلم معاشرہ کی اکثریت کے اعمال و افعال اور سیرت و کردار کا کیا حال ہے؟ کیا ایسا معاشرہ جہاں دین، دینی اقدار کا مذاق اڑایا جاتا ہو، جہاں قرآن وسنت کا انکار کیا جاتا ہو، جہاں اس میں تحریف کی جاتی ہو، جہاں ان کو من مانے مطالب، مفاہیم اور معانی پہنائے جاتے ہوں، جہاں حدود اللہ کا انکار کیا جاتا ہو، جہاں سود کو حلال اور شراب کو پاک کہا جاتا ہو، جہاں زنا کاری و بدکاری کو تحفظ ہو، جہاں ظلم و تشدد کا دور دورہ ہو، جہاں مسلمان کہلانا دہشت گردی کی علامت ہو، جہاں بے قصور معصوموں کو کافر اقوام کے حوالہ کیا جاتا ہو، جہاں بدکار و مجرم معزز اور معصوم ذلیل ہوں، جہاں توہینِ رسالت کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت کیا جاتا ہو، جہاں باغیانِ نبوت کو اقتدار کی چھتری مہیا ہو، جہاں محافظینِ دین وشریعت کو پابندِ سلاسل کیا جاتا ہو، جہاں کلمہ حق کہنے والوں کو گولیوں سے چھلنی کیا جاتا ہو، جہاں کافر اقوام کی کاسہ لیسی کی جاتی ہو، جہاں یہود و نصاریٰ کی خوشنودی کے لیے مسلم ممالک پر اسلام دشمنوں کی چڑھائی کو سند جواز مہیا کی جاتی ہو، جہاں دینی مدارس و مساجد پر چڑھائی کی جاتی ہو، ان پر بمباری کی جاتی ہو، ہزاروں معصوموں کو خاک وخون میں تڑپایا جاتا ہو، ان پر فاسفورس بم گرا کر ان کا نام ونشان مٹایا جاتا ہو، جہاں مسلمان طالبات اور پردہ نشین خواتین کو درندگی کا نشانہ بنایا جاتا ہو، ان کی لاشوں کی بے حرمتی کی جاتی ہو، ان کے جسم کے چیتھڑے اُڑائے جاتے ہوں، ان کو دفن کرنے کے بجائے اُن کی لاشوں کو جلایا جاتا ہو، جہاں تاتاری اور نازی مظالم کی داستانیں دہرائی جاتی ہوں، جہاں دین دار طبقہ اور علماء وصلحاء پر زمین تنگ کی جاتی ہو، جہاں اغیار کی خوشنودی کے لیے اپنے شہریوں کے خلاف آپریشن کلین اپ کیے جاتے ہوں، جہاں ہزاروں، لاکھوں مسلمانوں کو اپنے گھروں سے نقل مکانی پر مجبور کیا جاتا ہو، جہاں دین وشریعت کا نام لینا جرم اور عریانی فحاشی، پتنگ بازی اور میراتھن ریس کی سرپرستی کی جاتی ہو، جہاں عریانی وفحاشی کو روشن خیالی و اعتدال پسندی کا نام دیا جاتا ہو، جہاں دینی مدارس بند اور قحبہ خانے کھولے جاتے ہوں، جہاں عوام نان شبینہ کے محتاج ہوں اور اربابِ اقتدار لاکھوں، کروڑوں روپے ایک رات ہوٹل کے قیام کا کرایہ ادا کرتے ہوں، جہاں اپنے اقتدار اور حکومت کے تحفظ کے لیے دین ومذہب اور شرم وحیاء کی تمام حدود کو پھلانگا جاتا ہو، وہاں اللہ کی رحمت نازل ہوگی؟ یا اللہ کا عذاب وعتاب؟؟؟

بلاشبہ آج کا دور دجالی فتنے اور نئے نئے نظریات کا دور ہے، زمانہ بوڑھا ہو چکا، ہم جنس پرستی اور ٹرانس جینڈر کو قانونی جواز حاصل ہو چکا، ناچ گانے کی محفلیں عام ہو چکیں، دیکھا جائے تو یہ قربِ قیامت کا وقت ہے، اس وقت مسلمانوں سے اللہ کی حفاظت و مدد اُٹھ چکی ہے، مسلمانوں کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں، سچی بات یہ ہے کہ یہ اللہ کی ناراضگی، ظاہرداری، چاپلوسی، انانیت، خود پسندی اور اُمت کے زوال کا وقت ہے، فتنہ وفساد عروج پر ہیں، خیر سے محروم لوگوں کی کثرت ہے اور خدا کی لعنت وغضب کا وقت ہے، اور یہود و نصاریٰ کی نقالی کامیابی کی معراج شمار ہونے لگی ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ایسے لوگوں اور معاشرہ کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کیا قدر وقیمت ہوسکتی ہے؟ چنانچہ ایسے ہی دور کے لوگوں کے بارے میں حدیث شریف میں ہے کہ: "حضرت مرداس اسلمی ؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "نیک لوگ یکے بعد دیگرے رخصت ہوتے جائیں گے، جیسے چھٹائی کے بعد ردی جو یا کھجوریں باقی رہ جاتی ہیں، ایسے ناکارہ لوگ رہ جائیں گے کہ اللہ تعالیٰ ان کی کوئی پرواہ نہیں کرے گا۔" (صحیح بخاری)

17:- اس کے علاوہ یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ: مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی مدد کا وعدہ ضرور ہے لیکن ساتھ ہی اللہ کی مدد آنے کے لیے یہ شرط بھی ہے کہ:

"اگر تم اللہ کے دین کی مدد کروگے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کریں گے، اور تمہارے قدموں کو ثابت کریں گے۔" (محمد: 7)

لہٰذا جب سے مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد چھوڑ دی ہے، اللہ تعالیٰ نے بھی مسلمانوں سے اپنی رحمت وعنایت اور مدد کا ہاتھ اٹھالیا ہے، چنانچہ آج ہر طرف مسلمانوں پر کافر اس طرح ٹوٹ رہے ہیں جس طرح دسترخوان پر چنے ہوئے کھانے پر لوگ ٹوٹتے ہیں۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

حضرت ثوبان ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ وقت قریب آتا ہے، جب تمام کافر قومیں تمہارے مٹانے کے لیے..... مل کر سازشیں کریں گی ..... اور ایک دوسرے کو اس طرح بلائیں گی جیسے دسترخوان پر کھانا کھانے والے..... لذیذ..... کھانے کی طرف ایک دوسرے کو بلاتے ہیں، کسی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ہماری قلت تعداد کی وجہ سے ہمارا یہ حال ہوگا؟ فرمایا: نہیں! بلکہ تم اس وقت تعداد میں بہت ہوگے، البتہ تم سیلاب کی جھاگ کی طرح ناکارہ ہوگے، یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دل سے تمہارا رعب اور دبدبہ نکال دیں گے، اور تمہارے دلوں میں 'وہن' ڈال دیں گے، کسی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! 'وہن' سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: دنیا کی محبت اور موت سے نفرت۔" (ابوداوٗد) بتلایا جائے جس معاشرہ کا یہ حال ہو، اور جن مسلمانوں کے اعمال واخلاق کا یہ منظر نامہ ہو، وہاں اللہ کی مدد آئے گی یا اللہ کا عذاب؟

دوم: رہی یہ بات کہ کفار ومشرکین اور اغیار کے مظالم کا شکار صرف اور صرف دین دار مسلمان ہی کیوں ہیں؟ اگر بدکردار مسلمانوں اور اربابِ اقتدار نے اللہ کو ناراض کر رکھا ہے تو ان کی سزا ان نہتے معصوموں کو کیوں دی جاتی ہے؟ اور ان کے حق میں اللہ تعالیٰ کی مدد کیوں نہیں آتی؟ چاہیے تو یہ تھا کہ جرم وسزا کے فلسفہ کے تحت سزا بھی ان ہی لوگوں کو دی جاتی، جنہوں نے اللہ کو ناراض کر رکھا ہے، مگر اس کے برعکس ہو یہ رہا ہے کہ نیک صالح مسلمان، اور دین ومذہب کے متوالے، کفار کے مظالم کی تلوار سے ذبح ہو رہے ہیں، ان کو بے نام کیا جارہا ہے، ان کو گاجر مولی کی طرح کاٹا جارہا ہے، ان کی جان ومال اور عزت وناموس برباد کی جارہی ہے، ان پر اللہ کی زمین تنگ کی جارہی ہے، اپنے اور پرائے سب ہی ان کے دشمن اور ان کی جان کے پیاسے ہیں، کوئی بھی ان کے لیے کلمہ خیر کہنے کا روادار نہیں ہے، بلکہ ان پر ہر طرف سے آگ وآہن کی بارش اور بارود کی یلغار ہے، آخر ایسا کیوں ہے؟ اسی طرح ارشادِ الٰہی: ﴿أَلَآ إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ ﴿٢١٤﴾﴾ "بے شک اللہ کی مدد قریب ہے۔" کا وعدہ کب پورا ہوگا؟

اس سلسلہ میں بھی چند معروضات پیش کرنا چاہوں گا:

1:- دنیا باخدا مسلمانوں کے لیے قید خانہ اور کفار ومشرکین کے لیے جنت ہے، چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:''دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے جنت ہے۔'' (ترمذی)

یعنی دنیا میں عموماً کافر کی نسبت، ایک مومن کو آفات ومصائب کا سامنا زیادہ کرنا پڑتا ہے، جس کا معنی یہ ہے کہ کافر کی دنیاوی کروفر اور راحت وآرام اور مومن کی تکلیف وتعذیب کو دیکھ کر پریشان نہیں ہونا چاہیے، بلکہ مومن کی دنیا کی تکلیف وتعذیب اور مصائب وآلام کا، اس کی جنت کے ساتھ اور کافر کی ظاہری کروفر، خوش عیشی اور راحت وآرام کا اس کی جہنم کے ساتھ مقابلہ کیا جائے تو سمجھ میں آجائے گا کہ جس طرح کافر کی دنیاوی راحت وآسائش کی، اس کی جہنم کی سزا کے مقابلہ میں کچھ حیثیت نہیں، اسی طرح مسلمان کی دنیا کی عارضی تکالیف ومشکلات اس کی جنت اور آخرت کی راحت وآرام کے مقابلہ میں کچھ حیثیت نہیں رکھتیں۔

2:- دنیا دار العمل اور آخرت دار الجزا ہے اور ظاہر ہے جو شخص عملی میدان میں جتنا محنت ومشقت اور جہد ومجاہدہ برداشت کرے گا، بعد میں اُسی تناسب سے اسے راحت وآرام میسر آئے گا اور جو شخص میدانِ عمل میں جتنا کوتاہی کرے گا، بعد میں اسی تناسب سے اُسے ذلت ورسوائی اور فضیحت وشرمندگی کا سامنا کرنا ہوگا، ٹھیک اسی طرح مقربین بارگاہِ خداوندی کو بھی آخرت کی کھیتی یعنی دنیا میں جہد مسلسل اور محنت ومشقت کا سامنا ہے، مگر عاقبت وانجام کے اعتبار سے جلد یا بدیر راحت وآرام اُن کا مقدر ہوگا، دوسری طرف کافر اگرچہ یہاں ہر طرح کی راحت وآرام سے سرفراز ہیں، مگر مرنے کے ساتھ ہی عذاب جہنم کی شکل میں ان کی راحت وآرام اور ظلم وعدوان کا ثمرہ ان کے سامنے آجائے گا۔

3:- بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آخرت کے عذاب سے بچانے کے لیے دنیا ہی میں انہیں مصائب وتکالیف میں مبتلا فرماتے ہیں تاکہ اس کی کمی کوتاہیوں کا معاملہ یہیں نمٹ جائے اور آخرت میں ان کو کسی عذاب سے دوچار نہ ہونا پڑے، چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں، تو دنیا میں ہی اس کو فوری سزا دے دیتے ہیں اور جب کسی کے ساتھ شر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کے گناہ کی سزا موخر کردیتے ہیں، یہاں تک کہ قیامت کے دن اس کو پوری سزا دیں گے۔ نیز آنحضرت ﷺ نے فرمایا:''بندے کو جتنا بڑا ابتلاء پیش آئے، اتنی بڑی جزا اُس کو ملتی ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ جب کسی قوم سے محبت فرماتے ہیں تو اُسے مصائب وآلام سے آزماتے ہیں، پس جو شخص ہر حالت میں اللہ تعالیٰ سے راضی رہا، اُس کے لیے اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے اور جو شخص ناراض ہوا اس کے لیے ناراضی ہے۔'' (ترمذی)

4:- بعض اوقات مقربین بارگاہِ الٰہی کے پیمانہ خلوص، اخلاص، صبر، تحمل، تسلیم، رضا، عزم، ہمت، دینی پختگی اور تصلّب کو ناپنے کے لیے ان پر امتحانات وآزمائشیں آتی ہیں، جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

(ل)''اور ہم تمہارا امتحان کریں گے کسی قدر خوف سے اور فاقہ سے اور مال اور جان اور پھلوں کی کمی سے۔ اور آپ ایسے صابرین کو بشارت سنا دیجئے کہ ان پر جب کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہیں اور ہم سب اللہ تعالیٰ کے پاس جانے والے ہیں۔''
(البقرہ:155،156)

(ب):-''کیا یہ سمجھتے ہیں لوگ، کہ چھوٹ جائیں گے اتنا کہہ کر کہ ہم یقین لائے اور ان کو جانچ نہ لیں گے، اور ہم نے جانچا ہے ان کو جو ان سے پہلے تھے، سو البتہ معلوم کرے گا اللہ جو لوگ سچے ہیں اور البتہ معلوم کرے گا جھوٹوں کو۔'' (عنکبوت:1 تا 3)

(ج)''حضرت خباب بن الارت ؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ بیت اللہ کے سائے میں اپنی چادر سے ٹیک لگا کر تشریف فرما تھے، کہ ہم نے آپؐ سے کفار کے مظالم کی شکایت کرتے ہوئے عرض کیا، یارسول اللہ! آپؐ ہمارے لیے اللہ سے مدد اور دعا کیوں نہیں مانگتے؟ آپؐ یہ سن کر ایک دم سیدھے ہوکر بیٹھ گئے اور فرمایا:''تم سے پہلے لوگوں میں سے ایک شخص کے لیے گڑھا کھودا جاتا، اُسے اس میں کھڑا کیا جاتا اور اس کے سر پر آری چلا کر اسے چیر کر دو ٹکڑے کردیا جاتا، مگر یہ سب کچھ اس کو اس کے دین سے نہ ہٹا سکا، اسی طرح کسی کے جسم پر لوہے کی کنگھی چلا کر اس کا گوشت اور پٹھے اس کی ہڈیوں سے اُدھیڑ دیئے جاتے، مگر یہ سب کچھ اس کو اس کے دین سے نہیں ہٹا سکتا۔'' (صحیح بخاری)

گویا ان حضرات کو اپنے دین ومذہب کی خاطر اس قدر اذیتیں دی گئیں اور اُنہوں نے اس پر صبر وبرداشت کیا تو تمہیں بھی ان معمولی تکالیف پر حوصلہ نہیں ہارنا چاہئے بلکہ صبر وبرداشت سے کام لینا چاہئے اور اللہ کی نصرت ومدد پر نگاہ رکھنی چاہئے جلد یا بدیر اللہ کی مدد آکر رہے گی۔

5:- ضروری نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مدد فوراً آجائے، بلکہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ حضرات انبیاء کرام ؑ کی مدد ونصرت میں بھی اتنی تاخیر فرما سکتے ہیں کہ وہ مایوسی کے قریب ہو جائیں، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

الف:-''یہاں تک کہ پیغمبر اس بات سے مایوس ہوگئے اور ان پیغمبروں کو گمان غالب ہوگیا کہ ہمارے فہم نے غلطی کی، ان کو ہماری مدد پہنچی، پھر اس عذاب سے ہم نے جس کو چاہا وہ بچالیا گیا اور ہمارا عذاب مجرم لوگوں سے نہیں ہٹتا۔'' (یوسف:110)

ب:-''کیا تم کو یہ خیال ہے کہ جنت چلے جاؤ گے حالانکہ تم پر نہیں گزرے حالات ان لوگوں جیسے جو ہو چکے تم سے پہلے کہ پہنچی ان کو سختی اور تکلیف اور جھڑ جھڑائے گئے، یہاں تک کہ کہنے لگا رسول اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے کب آوے گی اللہ کی مدد؟ سن رکھو اللہ کی مدد قریب ہے۔'' (البقرہ:214)

اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ کفار ومشرکین کے مقابلہ میں نیک وصالح مسلمانوں کے لیے فوراً نصرت الٰہی کا آنا کوئی ضروری نہیں، اس کے علاوہ مدد ونصرت الٰہی میں تاخیر کا ہو جانا جہاں کفار ومشرکین اور ان کے موقف کی صداقت کی دلیل نہیں، وہاں نیک صالح اور متقین ومومنین کے بارگاہِ الٰہی میں مبغوض ومقہور ہونے کی علامت بھی نہیں، کیونکہ دورِ حاضر کے نیک وصالح مومنین ومتقین، اپنی جگہ کتنا ہی مقرب بارگاہِ الٰہی کیوں نہ ہوں، بہرحال وہ حضرات انبیاء کرام ؑ کے مرتبہ ومقام کو نہیں پہنچ سکتے، لہٰذا اگر حضرات انبیاء کرام ؑ کی مدد ونصرت میں تاخیر ہوسکتی ہے تو دورِ حاضر کے نیک صالح مومنین ومجاہدین کی مدد میں تاخیر کیوں نہیں ہوسکتی؟

6:- اس سب سے ہٹ کر سچی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ موجودہ صورت حال میں جہاں اہل ایمان کو مصائب وآلام سے دوچار کرکے ان کے درجات بلند کرنا چاہتے ہیں، وہاں ان بدباطن کفار ومشرکین اور نام نہاد مسلمانوں پر اتمام حجت کرنا چاہتے ہیں، تاکہ کل قیامت کے دن وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہمیں غور وفکر کی مہلت اور صحیح صورتِ حال کا اندازہ نہیں ہوسکا تھا۔

الغرض موجودہ صورت حال سے جہاں نیک صالح لوگوں اور مقربین بارگاہِ الٰہی کے درجات بلند ہورہے ہیں، وہاں ان بدباطنوں کو ڈھیل دی جارہی ہے، چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَاُمْلِیْ لَهُمْ ۭ اِنَّ كَیْدِیْ مَتِیْنٌ ۝۴۵﴾ (القلم)

''اور میں ان کو ڈھیل دیتا ہوں مگر میری تدبیر غالب ہے۔''

اسی طرح:﴿وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ۝۱۲۲﴾ (سورہ ھود)''تم بھی انتظار کرو اور ہم بھی انتظار کررہے ہیں۔'' مرنے کے بعد معلوم ہوگا کہ کون فائدہ میں تھا اور کون نقصان میں؟

۞۞۞

اُمتِ مُسلمہ کے مسائل اور اُن کا حل

مفتی محمد عثمان

آج اگر اُمتِ مُسلمہ کے مسائل ومشکلات کی بات کی جائے تو وہ ذاتی زندگی سے متعلق بھی ہیں اور اجتماعی نظم سے بھی انفرادی زندگیوں میں بھی بے شمار کوتاہیاں دیکھنے میں آرہی ہیں اور معاشرتی سطح پر بھی کمزوریاں بڑھتی چلی جارہی ہیں عوام کو بھی اپنی اصلاح کی فکر کرنی ہے اور حکمرانوں کو بھی اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرنا ہوگا۔ ان امور کی نشاندہی کی جائے جو ہمارے مسائل ومشکلات، بگاڑ وفساد اور زوال وانحطاط کا اصل سبب ہیں۔ جب عوام وخواص، رعایا اور حکمران، فرد اور معاشرہ سب اپنی کمزوریوں اور ذمہ داریوں کا احساس وادراک کر کے ان اسباب کے ازالے کی فکر کریں گے تب کہیں بہتری کے آثار نمودار ہونا شروع ہوں گے۔ ان شاء اللہ!

ایمان محکم، عمل صالح، خوفِ الٰہی اور فکرِ آخرت:

ہمارے پیارے آقا ﷺ نے کیسے اپنے معاشرے کی اصلاح کی اور کن بنیادوں پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کھڑا کیا کہ وہ زمانے کے مقتداء وپیشوا بن گئے۔ ایک ایسا معاشرہ جو جہالت اور گمراہی کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا، جہاں قتل وغارت گری کا رواج تھا، وہ لوگ راہ راست سے اس حد تک بھٹکے ہوئے تھے کہ کوئی ان پر حکمرانی کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ ہمارے آقا ﷺ نے اس معاشرے کا نقشہ ہی بدل دیا۔ آپ ﷺ نے اس معاشرے کو ایمان محکم، عمل صالح، خوفِ الٰہی اور فکرِ آخرت کی ایسی بنیادیں فراہم کیں کہ جن کی وجہ سے پورا معاشرہ یکسر بدل گیا وہ لوگ جو پہلے قاتل اور لٹیرے تھے، وہ زمانے کے مقتداء اور پیشوا بن گئے۔ ان کا معاشرہ جنت کا نمونہ بن گیا، وہ قیصر وکسریٰ جیسی عالمی طاقتوں سے ٹکرا کر فاتح ٹھہرے۔ ہمارے حکمرانوں کا معاملہ ہو یا عوام کا، انفرادی زندگیاں ہوں یا اجتماعی نظم یقین محکم کی قوت، کردار وعمل کی طاقت، خوفِ الٰہی کا زادِ راہ اور فکرِ آخرت کی دولت سے ہم انفرادی اور اجتماعی طور پر محروم ہوگئے۔ جب ہمارے پاس ایمان ویقین کی بنیاد اور اخلاص پر مبنی جذبہ ہی نہیں، کردار وعمل کے اعتبار سے ہم کمزور ہوگئے، محاسبہ کی فکر سے آزاد ہوگئے، مرنے کے بعد کی زندگی کو بھول بیٹھے تو یہ وہ پہلی اینٹ ہے، جو غلط رکھ دی گئی اس اینٹ کو جب تک صحیح نہیں کیا جائے گا اور ان چار بنیادوں پر اپنی اجتماعی اور انفرادی زندگی کو لانے کی کوشش نہیں کی جائے گی اس وقت تک اصلاحِ احوال کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا۔

وہن کی بیماری:

اس وقت اُمتِ مسلمہ مسائل ومشکلات کے جس گرداب میں پھنسی ہوئی ہے، ہر طرف ظلم وستم کی آندھیاں زوروں پر ہیں، ہر جگہ مسلمانوں کا لہو بہہ رہا ہے، ہر آنے والا دن گزرے دن سے زیادہ مصائب وآلام لے کر طلوع ہوتا ہے۔ دشمن اہل ایمان کو کاٹ کھانے اور صفحۂ ہستی سے مٹاڈالنے کے لیے بھوکوں کی طرح اُمتِ مظلومہ پر ٹوٹا پڑ رہا ہے اس صورت حال سے نہ صرف یہ کہ ہمارے نبی کریم ﷺ نے ہمیں بہت پہلے خبردار کر دیا تھا بلکہ اس زوال وانحطاط کی وجہ بھی بتادی تھی کہ جب اُمت ”وَھْن“ کی بیماری میں مبتلا ہوجائے گی یعنی دنیا سے محبت کرنے لگے گی اور موت کی ناپسندیدگی کا شکار ہو جائے گی تو پھر اس قسم کے حالات سے دوچار ہوجائے گی اس وقت ہمیں اُمتِ مُسلمہ میں یقین محکم، عمل صالح، خوفِ الٰہی اور فکرِ آخرت کا شعور اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی باقاعدہ مہم چلانے کی ضرورت ہے کہ ہم اپنے اجتماعی نظم اور اپنے دل ودماغ سے وھن کی بیماری کو یعنی دنیا کی محبت اور موت کی ناپسندیدگی کو ختم کردیں کیونکہ دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے، موت کی ناپسندیدگی بزدلی اور غیروں کی غلامی کا سبب بنتی ہے۔ جب ہم اس بیماری سے نجات پاجائیں گے تو اس کے نتیجے میں بہت سی مشکلات پر قابو پانا آسان ہوجائے گا۔ ان شاء اللہ

اتحاد واتفاق کا فقدان:

اس وقت اُمتِ مُسلمہ کے مسائل ومشکلات کی ایک بڑی وجہ اتحاد واتفاق کا فقدان ہے۔ ہمارے ہاں مذہبی بنیادوں پر، مسلکی بنیادوں پر، علاقائی بنیادوں پر اور لسانی بنیادوں پر نفرتوں کے ایسے بیج بوئے گئے ہیں کہ ان کی فصل اب بالکل تیار ہے۔ دشمن نے ”لڑاؤ اور حکومت کرو“ پالیسی کے تحت ہمیں یوں آپس میں دست وگریباں کیا کہ ہمارے مابین دوریوں کی خلیج حائل ہوگئی اور اُمت کا شیرازہ بری طرح بکھر کر رہ گیا۔ اللہ کے نبی ﷺ نے عصبیت کے کاموں کو بدبودار باتیں کہہ کر چھوڑنے کا حکم دیا تھا انہی چیزوں نے اس اُمتِ واحدہ کو بانٹ رکھا ہے۔ ہمارے مسلکی اختلافات مخالفت اور تشدد کی شکل اختیار کر جاتے ہیں اور پھر نہ ختم ہونے والے فساد اور انتشار کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اگر آج مسلکی ہم آہنگی، عصبیت کے خاتمے، علاقائی اور لسانی تفریق کو مٹانے اور جدید وقدیم کی خلیج کو پاٹنے کی کوشش کی جائے کوئی وجہ نہیں کہ مسائل ومشکلات ہمیں یوں ہی گھیرے رکھیں اور اگر آج ہم نیل کے ساحل سے لے کر کاشغر تک پھیلی ہوئی مسلم دنیا کو اتحاد واتفاق کی لڑی میں پرونے اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہوجائیں تو ہمارا مقدر یقیناً بدل سکتا ہے۔ آج اگر یورپی یونین کی شکل میں یورپی ممالک کا بلاک موجود ہے تو اسلامی دنیا مشترکات پر اکٹھی ہوکر اپنا ایک بلاک بنالینے کی ہمت کیوں نہیں کرتی؟ یاد رکھیے جب تک اس پہلو پر توجہ نہیں دی جائے گی اس وقت تک ہماری پریشانیاں کم ہونے کے بجائے بڑھتی ہی رہیں گی۔

تعلیم کی کمی:

اُمتِ مُسلمہ کے مسائل کی ایک بڑی وجہ تعلیم کی کمی ہے۔ اور یہ بھی ایک ایسا سبب ہے جس کے ذِمہ دار افراد بھی ہیں اور مسلمان معاشرے بھی، عوام بھی ہیں اور حکمران بھی ایک ایسی اُمت جس کی پہلی وحی کا آغاز اِقْرَأْ سے ہوتا ہے، ایک ایسی اُمت جس کے نبی ﷺ کو ﴿وَقُل رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا﴾ کا حکم ہوتا ہے، ایک ایسی اُمت جس کی شناخت اور پہچان ہی تعلیم وتعلم ہے اگر وہ اُمت تعلیم کے میدان میں دنیا سے پیچھے رہ جائے تو اس پر

افسوس کے اظہار کے سوا اور کیا کیا جا سکتا ہے؟ مسلمانوں کو تعلیم سے محروم رکھنے کے ذمہ دار جہاں حکمران ہیں کہ انہوں نے اعلیٰ تعلیمی اداروں کے قیام، تعلیمی سہولیات وضروریات کی فراہمی، اعلیٰ معیار کی درس گاہوں کے انتظام وانصرام، تعلیم کے لیے معقول بجٹ مختص کرنے اور اپنی قوموں کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنے کے معاملے میں ہمیشہ مجرمانہ غفلت کا مظاہرہ کیا وہیں عوام نے بھی انفرادی طور پر اس معاملے میں افسوسناک حد تک تغافل برتا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سائنس اور ٹیکنالوجی ہو یا جدید ایجادات، میڈیکل اور انجینئرنگ ہو یا کوئی دوسرا علم، ہم اپنے شاندار اور تابناک ماضی کے حوالے تو دیتے ہیں، چند مسلمان سائنسدانوں کا تذکرہ تو کرتے ہیں لیکن کیا ہم نے سوچا کہ آج وہ بڑے بڑے سائنسدان کیوں جنم نہیں لیتے؟ آج ہم ہر معاملے میں غیروں کے محتاج کیوں ہیں؟ آج عالم اسلام میں شرح خواندگی اتنی کم کیوں ہے؟ آج دنیا کی معیاری درسگاہیں اور رصد گاہیں عالم اسلام میں کیوں نہیں؟ یونیورسٹیز کی رینکنگ میں مسلم دنیا کے تعلیمی اداروں کا سراغ تک کیوں نہیں ملتا؟

ہمیں اس معاملے پر خوب سوچ وبچار کر کے اس کے تدارک کی حکمت عملی وضع کرنی ہوگی ورنہ مستقبل مزید تاریک سے تاریک تر ہوتا چلا جائے گا۔

سستی، کاہلی اور عیش پرستی:

اُمتِ مسلمہ کے مسائل میں سے ایک اور بڑا مسئلہ ہماری اجتماعی اور انفرادی سستی، کاہلی اور عیش پرستی بھی ہے۔ ہم لوگ محنت سے جی چراتے ہیں، کام کرنے سے جان چھڑاتے ہیں، ہمارے حکمرانوں کا شاہانہ طرزِ زندگی ہو یا امراء وروساء کی عیش پرستی، عوام کی سہل پسندی ہو یا نوجوانوں کی عیش کوشی ان چیزوں نے نہ صرف یہ کہ ہمیں زوال وانحطاط سے دوچار کیا بلکہ دنیا کے سامنے تماشا بنا کر رکھ دیا ہے۔ ہمارے نوجوان شمشیر وسناں چھوڑ کر طاؤس ورباب کے دلدادہ ہو گئے، فحاشی وعریانی کے زہر نے ہماری پوری نسل کو کھوکھلا کر ڈالا، لایعنی مشاغل اور فضولیات ولغویات میں انہماک نے ہمیں کہیں کا نہیں چھوڑا۔ وہ لوگ جو ایمان کی دولت سے بھی محروم ہیں اور اللہ کی نصرت ومدد کا بھی ان سے کوئی وعدہ نہیں لیکن جب انہوں نے محنت کو اپنا شعار بنایا تو کامیابی وکامرانی ان کا مقدر بنتی چلی گئی اور ہم ہاتھوں پر ہاتھ دھرے اچھے مستقبل کے انتظار میں بوڑھے ہوتے چلے گئے۔ ہمیں اس اجتماعی اور انفرادی کمزوری کا احساس بھی کرنا ہوگا اور اس معاملے پر قابو پانے کی کوشش بھی کرنی ہوگی۔

وسائل کا ضیاع اور اسراف:

جس طرح ہم وقت اور انسانی صلاحیتوں کو بے دریغ ضائع کرتے ہیں اس سے کہیں بڑھ کر ہم قدرتی وسائل کو بھی ضائع کر رہے ہیں۔ اللہ رب العزت کا خصوصی فضل وکرم ہے کہ عالم اسلام کے پاس ہر قسم کے وسائل کی فراوانی ہے، سیال سونے کے کنویں موجود ہیں، معدنیات کے ذخائر موجود ہیں، جغرافیائی اعتبار سے دیکھا جائے یا زرعی لحاظ سے، معدنی اعتبار سے بات کی جائے یا موسمی اعتبار سے سب سے زیادہ وسائل اور ترقی کے مواقع عالم اسلام کے پاس ہیں لیکن ہم نے انہیں بروئے کار لانے اور منصوبہ بندی سے برتنے کا اہتمام ہی نہیں کیا، مسلم دنیا سے تیل دشمن نکال کر لے جاتے ہیں، ریکوڈک سے سونا نکالنے کا ٹھیکہ ہم کسی اور کو اونے پونے داموں میں دے دیتے ہیں، دریاؤں پر ڈیم بنانے کی ہمیں توفیق نہیں ہوتی، ہمیں تو ﴿وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ﴾ (الانفال: 60) کا حکم تھا لیکن ہم دشمن کے خلاف قوت جمع کرنا تو کجا اپنی ضرورت کے وسائل کو سلیقے سے برتنے کی توفیق سے بھی محروم ہیں اور پھر ستم بالائے ستم یہ کہ وسائل کے ضیاع کے ساتھ ساتھ اسراف جسے قرآن نے شیطان کے بھائیوں والا کام قرار دیا ہے اس کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ہمارے حکمرانوں کی بیگمات کے سونے اور زیورات کے قصے آپ نے سنے اور پڑھے ہوں گے اور شادی بیاہ سے لے کر لباس وپوشاک تک اور موبائل فون سے لے کر پانی وبجلی کے استعمال تک عام لوگوں کے طرزِ عمل کا مشاہدہ بھی کیا ہوگا۔ وسائل کے بے دریغ ضیاع اور فضول خرچی واسراف کی عادت میں ہم نے سب کو مات دے دی اور یہی وہ کمزوری ہے جس نے ہمیں کہیں کا نہیں چھوڑا اگر اس معاملے میں ہم سیدنا یوسف ؑ والی حکمت عملی اپنائیں اور جس طرح انہوں نے دیانت، کفایت شعاری اور منصوبہ بندی کے صرف تین گر اپنا کر پورے مصر کو قحط سالی میں ریلیف مہیا کیا ہم بھی ان تینوں چیزوں یعنی دیانتداری، کفایت شعاری اور بہتر منصوبہ بندی کے ذریعے پورے عالم اسلام کے فقر وافلاس اور زوال وانحطاط کا خاتمہ کر سکتے ہیں۔

کرپشن اور بددیانتی:

کرپشن اور بددیانتی ہمارے معاشرے کا ایسا ناسور ہے جس نے آج ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی کو بری طرح اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ حکمران ہوں یا عوام جس کو جب، جہاں اور جیسا موقع ملتا ہے وہ لوٹ کھسوٹ، بددیانتی اور کرپشن سے خود کو نہیں بچا پاتا۔ نبی اکرم ﷺ نے شاید انہی حالات کے بارے میں پیشین گوئی فرمائی تھی کہ قربِ قیامت میں دیانت وامانت کو اُٹھا لیا جائے گا لوگ کہیں گے کہ فلاں قبیلے یا فلاں علاقے میں ایک شخص ہے جو بڑا امانت دار اور دیانت دار ہے۔ آج اگر ہماری ریاستیں، ہمارا معاشرہ، ہمارے ممالک، ہمارے ادارے اور ہماری انفرادی زندگی کرپشن اور بددیانتی کی لعنت سے پاک ہو جائے تو دنیا کا نقشہ بدل سکتا ہے۔

ظلم وزیادتی اور ناانصافی:

سیدنا علی ؓ کا مشہور قول ہے کہ معاشرے کفر کے ساتھ تو باقی رہ سکتے ہیں لیکن ظلم کے ساتھ باقی نہیں رہ سکتے۔ آج ہمارے ہاں ظلم کی جو مختلف شکلیں رائج ہیں، ناانصافی کے جو افسوسناک مناظر دیکھنے میں آتے ہیں ان کی وجہ سے بھی اُمت مسائل ومشکلات کا شکار ہے۔ غیروں اور دشمن کے مظالم اور زیادتیاں تو اپنی جگہ لیکن ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں ہر طاقت، قوت، دولت اور اثر رسوخ رکھنے والا دوسروں کو اپنے ظلم وزیادتی کا نشانہ بنا رہا ہے، انصاف اور مساوات کے تصورات معدوم ہوتے چلے جا رہے ہیں، جب تک ہم انفرادی اور اجتماعی طور پر انصاف کی بالادستی اور نظامِ عدل کے نفاذ کے لیے کوشش نہیں کریں گے اس وقت تک ہمارے مسائل کم ہونے کی بجائے بڑھتے چلے جائیں گے۔

احساس کمتری:

ہمارے مسائل کی ایک بڑی بنیاد احساس کمتری بھی ہے۔ اس احساس کمتری کی وجہ سے مرعوبیت، دوسروں کی غلامی اور حاشیہ نشینی، بیرونی قوتوں کی مداخلت اور ڈکٹیشن قبول کرنے سے لے کر اپنی اقدار و روایات کو ترک کر کے دوسروں کی نقالی اور ان کی تہذیبوں کو فخر کے ساتھ اپنانے کی جو روش چل نکلی ہے اس سے بھی چھٹکارہ حاصل کرنا ازحد ضروری ہے جب تک ہمیں سر اٹھا کر جینے کا ہنر نہیں آجاتا، اپنی خود مختاری کی حفاظت کا سلیقہ نہیں آتا، اپنی اقدار وروایات پر ناز کرنے کی ہمت نہیں ہوتی اس وقت تک ہم کسی کو کیا الزام دے سکتے ہیں؟

طبقاتی تفریق:

ہمارے مسائل ومشکلات کی ایک بڑی وجہ طبقاتی تفریق بھی ہے۔ VIP اور VVIP کلچر، جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام اور بیوروکریسی کی مختلف شکلیں اس طرح ہمارے اوپر مسلط ہیں کہ کبھی یوں محسوس ہونے لگتا ہے جیسے ہم نے طبقاتی اور معاشرتی اونچ نیچ اور ذات پات کے چکر میں ہندوؤں کو بھی مات دے دی ہو، ہمارے قواعد وضوابط اور قوانین جزا وسزا ہر ایک کے لیے الگ الگ ہیں۔ امیر اور طاقتور ہر قسم کے قاعدے اور ضابطے سے مستثنیٰ ہے اور غریب ہر ظلم وزیادتی کا شکار ہیں حالانکہ ہمارے آقا ﷺ نے اِس صورتحال کو سابقہ قوموں کی تباہی وبربادی کی بنیادی وجہ قرار دے کر اس سے اجتناب کا درس دیا تھا۔

ذرائع ابلاغ پر غیروں کا غلبہ:

اسی طرح ہمارا ایک بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے ذرائع ابلاغ وہ کسی بھی شکل میں ہوں ان پر کسی نا کسی درجے میں غیروں کی چھاپ نظر آتی ہے۔ سوشل میڈیا کی تو بات ہی نہ کریں کہ وہ غیروں کا بنایا ہوا وہ مکان ہے جس میں عالم اسلام بغیر کرایہ رہ رہا ہے اور بچوں، نوجوانوں، خواتین، بوڑھوں سب کے شب وروز سمارٹ فون کے ساتھ گزر رہے ہیں۔ الا ماشاء اللہ! اگرچہ میڈیا کے بعض ادارے اور کچھ افراد اپنی طرف سے اصلاح احوال کی کوششوں میں بھی مصروف عمل ہیں اور انفرادی طور پر کئی لوگ ایسے ہیں جنہیں اس شعبے میں امید کی کرن کہا جا سکتا ہے لیکن مجموعی طور پر جس طرح ذرائع ابلاغ فحاشی وعریانی پھیلانے، اپنی اقدار وروایات کو ختم کر کے غیروں کی تہذیب مسلط کرنے اور فکری حوالوں سے غلط فہمیاں اور گمراہی پھیلانے میں جو کردار ادا کر رہے ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں عالمی سطح پر میڈیا کی اسلام دشمن، مسلم کش، اخلاق باختہ اور حیاسوز پالیسیوں کے تدارک کے لیے اُمّتِ مسلمہ نے کبھی سنجیدگی سے نہیں سوچا نہ اس صورتحال کی تلافی کی کوئی سنجیدہ کوشش کی جس کا خمیازہ آج ہم سب کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔ اس لیے ہم سب کو بالخصوص ہمارے حکمرانوں اور میڈیا سے وابستہ ہمارے مسلمان بھائیوں کو اُمّت کو اس سنگین مشکل سے نجات دلانے کے لیے اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔

دوسروں کی اصلاح اور خود سے غفلت:

یہ بھی ہمارا ایک بہت بڑا مسئلہ ہے کہ ہمارے ہاں جو بھی اُمّتِ مُسلمہ کے مسائل ومشکلات کے اسباب کی نشاندہی کر کے ان کے تدارک اور اُمّت کی اصلاح کا بیڑہ اُٹھاتا ہے وہ ہمیشہ اصلاح کا عمل دوسروں سے شروع کرتا ہے اور خود کو بھول جاتا ہے۔ عوام حکمرانوں کو کوستے ہیں اور حکمران عوام کو تمام خرابیوں کا ذِمّہ دار قرار دیتے ہیں۔ اگر ہم دیکھیں تو اس وقت ہمارے حکمرانوں اور عوام کا رخ اور ترجیحات ہی مختلف ہیں۔ حکمران غیروں کے مقاصد کی تکمیل میں لگے ہیں اور انہیں عوامی مسائل ومشکلات سے نہ صرف یہ کہ کوئی سروکار نہیں بلکہ عوامی اضطراب کا احساس وادراک تک نہیں۔ یہ اعتماد کا فقدان اور الزام تراشی کی روش صرف عوام اور حکمرانوں کے مابین ہی نہیں ہے بلکہ مختلف طبقات اور مختلف افراد بھی اس کا شکار ہیں بلکہ بحیثیت مجموعی ہم سب قول وفعل کے بدترین تضاد میں مبتلا ہیں اس لیے ہمیں سب سے پہلے اپنی اصلاح کرنی ہوگی، معاشرے میں پھیلی تاریکیوں اور ظلمتِ شب کا شکوہ کرنے کی بجائے اپنے حصّے کا چراغ جلانا ہوگا، پھر یہ دعوت دوسروں تک پہنچانا ہوگی اور اُمّت کو اجتماعی، انفرادی، حکومتی اور عوامی مسائل ومشکلات سے نجات دلانے کے لیے تن من دھن کی بازی لگانی ہوگی۔ اللہ رب العزت ہمیں اس کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین!

۞۞۞

جس دل میں خدا کا خوف رہے

ماہر القادری

جس دل میں خدا کا خوف رہے باطل سے ہراساں کیا ہوگا
جو موت کو خود لبیک کہے وہ حق سے گریزاں کیا ہوگا
آئین چمن بندی بھی نہیں دستور نوا سنجی بھی نہیں
اب اس سے زیادہ گلشن کا شیرازہ پریشاں کیا ہوگا
ارباب محبت سے یہ کہو شکوے نہ کریں کچھ کام کریں
جو ظلم و ستم پر اترائے شکووں سے پشیماں کیا ہوگا
جو لوگ ہوا کے ساتھی ہیں وہ اپنے خدا کے باغی ہیں
اس جرمِ بغاوت سے بڑھ کر ایمان کا نقصاں کیا ہوگا
مدت سے کشاکش جاری ہے صیاد میں اور گل چینوں میں
تنظیمِ گلستاں ہونے تک انجامِ گلستاں کیا ہوگا
جس کشتی کی پتواروں کو خود ملاحوں نے توڑا ہو
اس کشتی کے ہمدردوں کو پھر شکوۂ طوفاں کیا ہوگا
جس چوٹ سے دل میں ہلچل ہے آہوں میں وہ ظاہر کیا ہوگی
سینے میں جو محشر برپا ہے اشکوں سے نمایاں کیا ہوگا
اس شام خزاں نے اب تک تو ہر طرح سے پردہ داری کی
جب صبح بہار آ جائے گی اے تنگیٔ داماں کیا ہوگا
جلوت کہ خلوت ہو ماہرؔ دل کھویا کھویا رہتا ہے
اس غم کی تلافی کب ہوگی اِس درد کا درماں کیا ہوگا

And for those in positions of leadership and influence, this responsibility is multiplied. You, Your Excellency, carry in your hands a trust that belongs to millions — the trust of your people, your faith, and your Lord. The Prophet ﷺ reminded us that every one of us is a shepherd, and every shepherd will be asked about his flock **(Sahih Bukhari)**.

We write to you as part of a nationwide awareness campaign this August, devoted to the awakening of the Muslim Ummah and the renewal of our collective purpose. We humbly request that you lend your distinguished voice and your esteemed platform to the cause of Muslim unity and justice. We ask that you, in your diplomatic conduct and public standing, uphold the values of truth, fairness, and compassion that our faith demands — that you raise the voice of the oppressed wherever you have the ability to be heard, and that you inspire those around you to return to the source of our strength. Allah (SWT) has commanded:

﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ﴾

" — And let there be arising from you a nation inviting to all that is good, enjoining what is right and forbidding what is wrong." **(Surah Aal-e-Imran: 104)**. And He has promised:

﴿وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَىِٕمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۝۵﴾

" — We desired to confer favour upon those who were oppressed in the land and to make them leaders and to make them inheritors **(Surah Al-Qasas: 5)**. This promise stands. It awaits only our sincerity and our effort. In light of Allah Almighty's promise in the Holy Qur'an: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝۷﴾ "Believers, if you aid Allah, He will come to your aid and will plant your feet firmly." **(Surah Muhammad:7)**

We close with hope and with prayer. May Allah (SWT) grant you wisdom, protect you in your responsibilities, and make you among those who serve this Ummah with honesty and courage. May He unite the hearts of the Muslims, restore our honor, and make us once again a people who stand for truth, justice, and his divine guidance.

Peace be upon you and Allah's *(Exalted be He)* mercy and blessings,

(Shujauddin Shaikh)
Ameer of Tanzeem e Islami, Pakistan

ملکیتی ومالیاتی ضابطوں کے لحاظ سے رجسٹرڈ بطور "دین حق ٹرسٹ" بمطابق سوسائٹیز رجسٹریشن ایکٹ XXI 1860ء

تنظیمِ اسلامی کا پیغام
خلافت راشدہ کا نظام

پتہ ڈاک: دارالاسلام ملتان روڈ چوہنگ لاہور۔ پوسٹل کوڈ:53800

دارالاسلام مرکز تنظیمِ اسلامی
23KM ملتان روڈ چوہنگ لاہور
فون نمبرز: 78-35473375(042)
ای میل: markaz@tanzeem.org ویب: www.tanzeem.org

تنظیمِ اسلامی کا پیغام — خلافت راشدہ کا نظام
ملک گیر آگاہی مہم
امت مسلمہ کی حالت زار اور راہ نجات
And Hold Firmly Together To The Rope of Allah and Do Not Be Divided. (Aal-e-Imran: 103)
www.tanzeem.org — تنظیمِ اسلامی

تنظیمِ اسلامی کا پیغام — خلافت راشدہ کا نظام
ملک گیر آگاہی مہم
امت مسلمہ کی حالت زار اور راہ نجات
The True Foundation of Pakistan's Stability is The Implementation of Islam.
www.tanzeem.org — تنظیمِ اسلامی

gravest crises facing our Ummah — Palestine, Kashmir, Burma — a unified and resolute Muslim voice is nowhere to be found. Our brothers and sisters in Palestine have bled for decades. The Muslims of Kashmir live under oppression. The Rohingya faced genocide. And the collective conscience of the Muslim world has grown disturbingly quiet. The Prophet ﷺ described the believers as one body — when one limb suffers, the entire body responds with sleeplessness and fever **(Sahih Muslim)**. Today that body has not only fallen ill; it has lost the very ability to feel the pain of its ailing limbs.

Alongside this political fragmentation, we witness a deep intellectual and moral decline. There was a time when the libraries of Baghdad, Cordoba, and Samarkand were the lanterns of the entire civilised world. Muslim scholars laid the foundations of medicine, mathematics, astronomy, and philosophy upon which much of modern Western progress stands. Today, the Muslim world contributes less than two percent of global scientific research — and this in an Ummah whose very first divine command was اِقْرَاْ — *Read* **(Surah Al-Alaq: 1)**. Corruption, injustice, and the abuse of public trust have become familiar features of our political landscape, when Allah commanded those entrusted with authority: *Render the trusts to their rightful owners, and when you judge between people, judge with justice* **(Surah An-Nisa: 58)**. And perhaps most telling of all, the love of this world and the neglect of the Hereafter — what the Prophet ﷺ called **wahn** — has weakened our resolve and diminished our courage **(Sunan Abu Dawud)**.

Your Excellency, fourteen centuries ago, the Prophet Muhammad ﷺ foretold this very condition with striking precision. He described a time when nations would gather against the Muslims as hungry guests crowd around a shared meal — not because the Muslims were few in number, but because they were like the foam of the ocean: plentiful yet weightless, numerous yet without substance. The reason, he ﷺ explained, would be **wahn**: the love of the world and the hatred of death **(Sunan Abu Dawud)**. This is not a prophecy of inevitable doom. It is a diagnosis — and every diagnosis carries within it the possibility of a cure.

The cure begins with an honest return to what we have abandoned. The Prophet ﷺ said:

((تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا: كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ))

"— I leave among you two things; you will never go astray as long as you hold fast to them — the Book of Allah and the Sunnah of His Prophet." **(Muwatta Imam Malik)**. The path back to dignity and strength for this Ummah does not lie in political maneuvering alone, nor in military power, nor in the accumulation of wealth. It lies in the sincere return of the Muslim individual, the Muslim family, and the Muslim state to the teachings of the Quran and the example of the Prophet ﷺ. Everything else — unity, justice, knowledge, strength — flows naturally from this single source.

Allah (SWT) has given us a principle that is both a warning and a promise:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۭ﴾

"— Indeed, Allah will not change the condition of a people until they change what is in themselves." **(Surah Ar-Ra'd: 11)**. The change we seek in our Ummah must begin within each one of us — in our intentions, our character, our honesty, and our commitment to justice.

In the Name of Allah, the Most Beneficent, the Most Merciful

Ref No:00000/26
Muharram ul Haram 1448 AH
July 2026 CE

From: The Desk of the Ameer of Tanzeem-e-Islami, Pakistan.
To: **Ambassador, ______________________________**

Sub: THE STATE OF THE MUSLIM UMMAH AND THE PATH TO SALVATION

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

Peace be upon you and Allah's mercy and blessings.

May this letter find you in the best state of physical & spiritual health and faith, with the grace of Allah *(Exalted be He)*.

Your Excellency,

We write to you at a time of profound trial for the global Muslim Ummah — a moment that demands the urgent attention of every Muslim leader, diplomat, and public servant who carries the trust of our faith and our people. As an ambassador representing a Muslim nation, you hold a position of immense responsibility, not merely toward your government, but before Allah (SWT) and before the Ummah of the Prophet Muhammad ﷺ. It is in this spirit, and with sincere hearts, that we address you today.

The Muslim Ummah today constitutes nearly two billion souls — a quarter of humanity. Fifty-seven Muslim-majority nations exist on this earth, endowed with vast natural resources, expansive lands, and young populations brimming with potential. Yet in global political influence, scientific achievement, economic strength, and strategic standing, we fall grievously short of what our numbers and our faith demand of us. This is not a coincidence, nor is it the result of external forces alone. Allah (SWT) has told us plainly:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ﴾

" — Corruption has appeared throughout the land and sea by reason of what the hands of people have earned." **(Surah Ar-Rum: 41)**. The condition we find ourselves in today is, at its root, a reflection of our own collective departure from the path of Allah.

Your Excellency, when we look honestly at the state of the Muslim world, the picture is one that should stir every believing heart. The unity that Allah commanded —

﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾

" — Hold firmly to the rope of Allah all together and do not become divided." **(Surah Aal-e-Imran: 103)** — has been replaced by sectarian rivalry, ethnic division, and narrow national interests. Fifty-seven nations share membership in the Organisation of Islamic Cooperation, yet on the

چمکدار صفائی
گہرائی تک اثر
شاندار صفائی، اُجلی دھلائی
کم مقدار، زیادہ صفائی
منفرد اور دیرپا خوشبو
رنگوں کی حفاظت
کپڑوں کی حفاظت
جلد کی حفاظت
KLINIT
1kg
صفائی اور بچت ایک ساتھ
Multi Action Power Magic
Detergent Powder
With Colour Guard
DELIVERY ALL OVER PAKISTAN
میرا با اعتماد انتخاب
شاندار صفائی
کم پیسے، زیادہ دھلائی
بھرپور جھاگ، داغوں کا صفایا
مہکتی خوشبو
A proud PAKISTANI brand
Net Weight 1kge
TWO IN ONE ACTION
Whiff
Detergent Powder
Cleans + Disinfects
Let your Clothes Smile!
LONG BAR
SUPER SAVING PACK
DISHWASH BAR
JR Industries:
Shah House, Plot # A89-91, Dhani Bux,
Sector 51-A, Scheme 33, Karachi Pakistan
For Online Order
0304 706 1265
jri.com.pk

Vol: 35 Regd. No. C.P.L NO.114 No.27

Weekly **Nida-e-Khilafat** Lahore